فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے طلباء واہل علم کا ترجمان

علمی و تحقیقی مجلّہ

فقہِ اسلامی



اِسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشن اقبال، کراچی۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:
میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سا عمل سب اعمال سے زیادہ پسندیدہ ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نماز

میں نے عرض کی:

اس کے بعد!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ماں باپ کی خدمت

میں نے عرض کی:

اس کے بعد!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

راہِ خدا میں جہاد

(صحیح بخاری و مسلم)

منجانب | حاجی آصف

علمی و تحقیقی مجلّہ

فقہ اسلامی

کراچی

مدیر اعلیٰ اعزازی

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

مدیر مُساعد: محمد صحبت خان

شمارہ 7 جلد 1

رمضان المبارک — 1421ھ، دسمبر 2000ء

ممبر شپ فیس

مارہ: 20 روپے 200 روپے سالانہ

سلت وعطیات بنام مدیر اعلیٰ اعزازی

زاکیڈمی، گلشن اقبال، پوسٹ بکس نمبر 17887

کراچی 75300، پاکستان۔

ح: 4989772 شام: 4583426

: 4583426

ل: onegod@super.net.pk.

فہرست

نوٹ: مجلس ادارت کا مقالہ نگاروں کے موقف سے اتفاق ضروری نہیں۔

ادار یہ

عالم اسلام کو درپیش مسائل اور علماءِ کرام کی خطرناک عدیم الفرصتی

جدید وسائل اعلام کی وجہ سے اب پوری دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے حالات سے اس قدر جلد واقف ہونے لگے ہیں کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں کوئی معمولی یا غیر معمولی واقعہ ہو جائے تو اس کی خبر چند سیکنڈوں میں پوری دنیا تک پہنچ جاتی ہے۔ انسان کا اس قدر ترقی کر لینا جہاں انسانیت کے لئے قابلِ فخر ہے وہیں قابلِ تشویش بھی۔ کہ یہ تیز رفتار ترقی انسانی قدروں کی پامالی اور اخلاقیات کی تباہی جیسے مضمرات بھی ساتھ ہی لے کر آئی ہے، نئے دور نے نئے مسائل کو جنم دیا ہے اور یہ مسائل کتبِ فقہ کے عبادات و معاملات کے ابواب میں نئی بحثوں کے اضافہ کے متقاضی ہیں۔ علم طب و جینیات کی ترقی نے جدید طبّی فقہی مسائل کا دروازہ کھول کر عائلی معاملات کا ازسرِ نو جائزہ لینے کی دعوت دی ہے۔

اس دور کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کے اپنے امام ابو حنیفہ اور مالک و شافعی و حنبل ہوں جو اس جدید دور کے پیچیدہ مسائل کا حل جدید فقہ اسلامی کی صورت میں پیش کر سکیں اور فقہِ اسلامی کی تشکیل جدید کا ''اقبالی خواب'' شرمندہ تعبیر ہو مگر سائنسی ترقی نے خالص علمی شعبوں کی کارکردگی کو کچھ اس طرح متاثر کیا ہے کہ اب نوجوان دس پندرہ برس تک چٹائیوں پر بیٹھ کر قدیم طرز کی تعلیم کے مراحل صبر و تحمل سے طے کرنے کی جائے جدید تعلیم کے شارٹ کٹس اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی چکاچوند کی جانب شدید رغبت و میلان کا حامل ہے۔ فقہ و اصول کی تعلیم کی سرپرستی نہ ہونے اور معاشرہ میں اہل علم کا وقار گر جانے کی بناء پر بھی اب اس وادئ خارزار میں قدم رکھنے والے خال خال ہیں۔ اعداد و شمار کی صورتحال یہ ہے کہ بین الاقوامی یا بین الاسلامی سطح پر ایک فیصد نوجوان بھی کسی ایسے شعبہ تعلیم میں جانے کو تیار نہیں جس کا اسکوپ

انہیں روشن دکھائی نہ دیتا ہو اور اسکوپ کیا ہے؟.................. مال اور عزت و جاہ۔

عوام تو عوام اب علماء بھی (ماسوا چند ایک کے) اسی مال و زر کی دوڑ میں شامل ہیں جس کے سبب ان کی غیر علمی مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ منتقیٔ علم کا فریضہ وہ کما حقہ' ادا نہیں کر پا رہے۔ مثلاً میں ایسے بیسیوں علماء سے واقف ہوں جو نہایت متقی و انتہائی درجے کے قابل استاذ' باعمل عالم' نکتہ رس فقیہ اور بذلہ سنج خطیب ہیں مگر کسی نہ کسی دارالعلوم کے مہتمم ہیں۔ ان کی تدریس و منتقیٔ علم کا عالم یہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں دو ایک سبق ہی پابندی سے پڑھا پاتے ہیں اور ان کے دوران بھی متعدد فون انہیں سننا ہوتے ہیں اور بے شمار مسائل ان کے ذہن میں انتظامی حوالے سے کلبلا رہے ہوتے ہیں۔ اسی دوران اگر ''معاونین ملاقاتی'' آ ٹپکیں تو ان سے بھی علیک سلیک کرنا اور انہیں مطمئن کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ملکی و غیر ملکی دوروں' جلسوں' کانفرنسوں میں شرکت اور سرکاری مجالس میں شمولیت اس کے علاوہ ہے۔ پھر نکاح و طلاق کے مختلف استفتاء ات و استفسارات کے جوابات بھی انہیں املاء کرانا ہوتے ہیں' میڈیا پر اور اسٹیج پر انہیں تقریر کے لئے بھی جانا ہوتا ہے اور سیاسی جلسوں کی رونق بننا بھی ان کے معمولات میں شامل ہے جبکہ خانگی امور کی طرف توجہ ایک الگ مستقل مسئلہ ہے۔ نکاح خوانی' دم درود اور فاتحہ نیاز کی مصروفیت بھی ان کے ساتھ ہر دم وابستہ ہے۔

اس طرح ان کی غیر علمی' سیاسی' سماجی' انتظامی اور معاشرتی و روحانی مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں جدید پیش آمدہ مسائل کی طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں۔ اس کا اندازہ اس معمولی سی مثال سے کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت عالم اسلام کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ عالمگیریت (Globalization) اور مقامیت (Civilization) کا مسئلہ ہے۔ امریکہ اور صیہونی طاقتوں کی خواہش یہ ہے کہ وہ پوری مسلم دنیا کو ان دو پر فریب الفاظ سے عبارت خوشنما نعرہ کی لپیٹ میں لے کر ان پر اپنا اقتدار مستحکم کر لیں اور عالم اسلام کے اربابِ اقتدار جو پہلے ہی اکثر و بیشتر صیہونیت کے ایجنٹ کا کردار ادا کر رہے ہیں اسے عملی طور پر اپنے اپنے ممالک میں نہ صرف متعارف بلکہ نافذ کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی اس کے نفاذ کے عملی کام کا آغاز ہو چکا ہے اور نئی طرز کے نئے بلدیاتی انتخابات اسی کا حصہ ہیں جن کے نتیجہ میں شہری حکومتوں کا قیام عمل میں آئے گا۔ اور یہ حکومتیں اسلام یا غیر اسلام کی بنیاد پر نہیں شہری خدمات کی بنیاد پر قائم ہوں گی۔

ہم نے دوماہ قبل ستمبر میں اور پھر اکتوبر ۲۰۰۰ء میں ایک استفتاء عالمگیریت اور مقامیت کے حوالے سے ملک کے ۵۰ مفتیانِ کرام (مفتیانِ "اہل سنت وجماعت (بریلوی)") کو ارسال کیا تھا جس کا کوئی جواب اکتوبر کے اواخر تک نہ ملنے پر ہم نے نومبر کے شمارہ میں ماہنامہ ساحل کے حوالہ سے مفتی نظام الدین شامزئی صاحب (دیوبندی) کا فتویٰ شائع کیا اور اس پر مفتیانِ ملت سے مثبت یا منفی رد عمل کے اظہار کی درخواست کی۔ علاوہ ازیں عالمگیریت و مقامیت کے مختصر سے تعارف کے ساتھ استفتاء دوبارہ بائی ڈاک (جوابی لفافوں کے ساتھ) ۱۰۰ مفتیانِ کرام کی خدمت میں ارسال کیا۔ نومبر ختم ہورہا ہے دسمبر کا شمارہ پریس میں جارہا ہے مگر تاحال کہیں سے کوئی اطمینان بخش جواب موصول نہیں ہوا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو یہ مسئلہ اہل علم و فقہاءِ وقت کے نزدیک کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا یا ان کی دیگر مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ انہیں مستقبل کے حوالہ سے اہم ترین معاملات پر غور و فکر کی فرصت نہیں۔

بین الاقوامی صیہونی سازشوں کے نتیجہ میں ملتِ اسلامیہ کو جن جدید چیلنجز کا سامنا ہے ان پر غور کرنے 'ان کا مقابلہ کرنے کیلئے حکمتِ عملی مرتب کرنے 'اس پر عوام میں شعور بیدار کرنے اور پھر کم از کم اپنے ملک کو ایسی سازشوں سے تحفظ دلوانے کی خاطر 'علماء و فقہائے عصر کو مل بیٹھ کر غور و فکر کرنا ہوگا اور اس قسم کے اہم نوعیت کے معاملات پر سوچنے اور لکھنے کو عدیم الفرصتی کے باعث اگر نظر انداز کیا جاتا رہا تو یہ عدیم الفرصتی نہایت خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

فقہ القرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ .... لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

صیام جمع ہے۔ اس کا مفرد ہے صوم۔ لغت میں صوم کا معنی ہے اَلْاِمْسَاكُ عَمَّا تَنَازَعَ اِلَيْهِ النَّفْس۔ اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو اور شریعت میں صوم کہتے ہیں کہ انسان عبادت کی نیت سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل زوجیت سے رکا رہے۔ یہ حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا۔ پہلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے‘ گو ان کی تعداد اور کیفیت الگ تھی۔

روزے کا مقصد اعلیٰ اور اس سخت ریاضت کا پھل یہ ہے کہ تم متقی اور پاکباز بن جاؤ۔ روزے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ان تینوں باتوں سے پرہیز کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام اخلاق رذیلہ اور اعمال بد سے انسان مکمل طور پر دست کش ہو جائے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو‘ تم بھوک سے بیتاب ہو رہے ہو‘ تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے لیکن تم ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اٹھا کر ادھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے تم نے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جن کو تمہارے رب نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا ہے (چوری‘ رشوت‘ بددیانتی وغیرہ) اگر یہ مراقبہ پختہ ہو جائے تو کیا تم ان کا ارتکاب کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ مہینہ بھر کی اس مشق کا مقصد یہی ہے کہ تم سال کے باقی گیارہ ماہ بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یونہی گزار دو۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ‘ غیبت‘ نظربازی وغیرہ سے باز نہیں آتے‘ ان کے متعلق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرما دیا۔

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ

یعنی جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا اگر اس نے کھانا

پینا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں۔

مریض اور مسافر کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ مریض سے مراد وہ شخص ہے کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی ہلاکت یا اس کے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو اور سفر سے مراد احناف کے نزدیک ۳ روز کا سفر ہے جس کا اندازہ ۳۶ کوس یا ۵۴ میل ہے۔ خواہ آپ اتنی مسافت آج ایک گھنٹہ میں طے کریں آپ کو افطار کی اجازت ہے۔ بیماری اور سفر سے جتنے روزے آپ نہ رکھ سکیں تو صحتیاب ہونے اور سفر سے واپس آنے پر ان کی قضا دینا ہو گی۔ مریض اور مسافر کو افطار کی اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا۔ لیکن سفر جہاد میں روزے کے افطار کا حکم ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور نے صحابہ کرام کو حکم دیا:

اِنَّہٗ قِتال فَافطروا۔

آج جنگ کا دن ہے روزے افطار کرو۔

روزے کے بعد میں علماء تفسیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے تو یہ ہے کہ ابتداء میں جب روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی آسانی کے پیش نظر یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کوئی روزے نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کر دے۔ بعد میں جب لوگ روزے کی لذت و برکت سے آشنا ہو گئے تو یہ رعایت واپس لے لی گئی اور عام حکم دے دیا گیا۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

نفاذِ شریعت میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ قول اس کے عین مطابق ہے۔ لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یطیقون کا معنی ہے کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں۔ مثلاً بوڑھا' دائم المریض' حاملہ عورت' دودھ پلانے والی' ان کے لئے یہ رعایت دی گئی ہے۔ اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے۔

پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی حکمت بیان کی گئی تھی کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب اس بات کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ ماہِ رمضان اس عبادت کے لئے کیوں مخصوص کیا گیا۔ بتایا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ وہ قرآن جو کسی خاص قوم یا ملک کے لئے نہیں بلکہ هُدًى لِلنَّاسِ تمام اولادِ آدم کے لئے ہادی و مرشد ہے اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی

کھلی ہے کہ حق اور باطل بالکل ممتاز ہو جاتے ہیں۔ جس ماہ میں اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہو وہ ماہ اس قابل ہے کہ اس کا ہر لحمہ ہر لحظہ اپنے محسن حقیقی کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے اور اس نعمت کی شکر گزاری کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے۔ رات کو قرآن پڑھا اور سنا جائے تاکہ اس ماہ میں نفس کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس بار امانت کو اچھی طرح اٹھا سکے۔ اس آیت کا آخری حصہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اغلباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں فزالت الرخصۃ الالمن عجز منھم پہلے حکم میں روزہ کی جائے فدیہ دینے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ اس آیت سے ختم ہو گئی۔ شہود سے دیکھنا اور جاننا دونوں مراد ہیں۔ یعنی خواہ وہ خود دیکھے یا صحیح طریقہ سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہو جائے تو روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے، کیونکہ اختلاف مطالع ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس لئے فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر دور دراز علاقہ میں چاند دیکھا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہو گا۔

ان البلاد اِذ تباعدت کتباعد الشام مِن الحجاز فالواجب علیٰ
اهل کل بلد ان تعمل علیٰ رؤیته دون رویة غیره۔ (قرطبی)

روزوں کے لئے قمری سال کا مہینہ مقرر فرمایا کیونکہ یہ سال کے مختلف موسموں میں پھرتا رہتا ہے تاکہ مسلمان سردی گرمی سب موسموں میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔

چونکہ فدیہ کی رعایت واپس لے لی گئی تھی اس سے گمان ہو سکتا تھا کہ مریض اور مسافر کے لئے افطار کی جو اجازت دی گئی تھی شاید وہ بھی ساقط کر دی گئی ہو۔ اس لئے اس کو واضح کیا کہ نہیں وہ رخصت بحال ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ)

پالیسی (Policy)

مجلہ فقہ اسلامی میں مدارس عربیہ / اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ کی تحریروں کو اولین ترجیح حاصل ہوگی، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی تحریروں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اہلِ علم کسی مضمون کے مندرجات سے علمی اختلاف کریں گے تو ان کا نقطہ نظر بسر وچشم قبول و بخوشی شائع کیا جائے گا۔ اہلِ قلم حسب ذیل عنوانات پر مضامین ارسال کر سکتے ہیں۔

فقہ القرآن	فقہ القرآن کے حوالہ سے لکھے گئے مقالات و مضامین
فقہ السنہ	فقہ السنہ کے حوالہ سے لکھے گئے مقالات و مضامین
تاریخ الفقہ	تاریخ فقہ پر لکھے گئے مقالات و مضامین
الفقہ المقارن	مذاہب اربعہ کے حوالہ سے فقہی مسائل کا تقابلی جائزہ
گوشہ فقہاء	(۱) متقدمین فقہاء کا تعارف اور ان کی فقہی خدمات (۲) متاخرین فقہاء کا تعارف اور ان کی فقہی خدمات (۳) گزشتہ صدی کی فقہی شخصیات کا تعارف اور ان کی فقہی خدمات (۴) عصر حاضر کی ان شخصیات کا تعارف جنہوں نے فقہ پر کام کیا ہے
دارالافتاء	پاکستان کے دارالافتاءات کا تعارف اور ان کا افتاء کا کام یعنی اب تک صادر ہونے والے فتاویٰ کی تعداد، عنوانات، کیفیت، بعض فتاویٰ یا ان کے اقتباسات
مقالات فقہیہ	جامعات اور دینی مدارس میں فقہ کے حوالہ سے ہونے والا تحقیقی کام
فقہی مضامین	حسب ذیل عنوانات پر اہلِ علم و قلم کے علمی و تحقیقی مضامین: عبادات، معاملات، مناکحات، عقوبات، مخاصمات، حکومت وخلافت وغیرہ
فقہی مسائل اور ان کا حل	(عوام کو روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کا حل)
گوشہ نمکین / نمکدان	(ظرائف ولطائف)
فقہی خبریں	(اسلام اور شریعت اسلامی کے حوالہ سے ملکی وبین الاقوامی سطح پر ہونے والی کوششوں، کامیابیوں، کانفرنسوں، سیمینارز اور اداروں کے قیام و کارکردگی وغیرہ کی رپورٹیں، روئیدادیں)
تبصرہ وتعارف کتب	(فقہی موضوعات پر شائع ہونے والی کتب کا تعارف اور ان پر تبصرہ)

تاریخ فقہ اسلامی کا تجزیاتی مطالعہ

(تیسری و آخری قسط)

علامہ محمد ابو زہرہ مصری ـــ ترجمہ : معراج محمد بارق

فقہِ اسلامی کے گزشتہ دو شماروں میں درجِ بالا عنوان پر ایک تاریخی و فکر انگیز تحریر آپ نے پڑھی' یہ علامہ محمد ابو زہرہ مصری کا وہ مضمون ہے جو علامہ احمد تیمور پاشا کے ایک مقالہ "نظرة تاريخية فی حدوث المذاهب الفقهية الاربعة و انتشارها عند جمهور المسلمين" کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۶۹ء میں لجنہ نشر المولفات التیموریہ نے شائع کیا۔ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی نے ہر دو مضامین کو اردو ترجمہ کے بعد کتابی صورت میں طبع کیا ہے اور اس کا نام "اسلامی دنیا میں فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ" تجویز کیا ہے۔ جناب معراج محمد بارق (مالک قدیمی کتب خانہ) نے دونوں مضامین بڑی خوش اسلوبی سے اردو کے قالب میں ڈھالے ہیں اور عربی عبارات کو اردو میں منتقل کرتے ہوئے کسی تکلف سے کام نہیں لیا بلکہ خوبصورت بامحاورہ ترجمہ کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ قاری کو کہیں بھی ترجمہ کا احساس نہیں ہوتا۔

جناب احمد تیمور کا مختصر تعارف اور ان کے اس مقالہ کے بارے میں شیخ ابو زہرہ مصری کی رائے زیرِ نظر (تیسری اور آخری) قسط میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر اصل مقالہ کے مطالعہ کے لئے قدیمی کتب خانہ سے رجوع کرنا ہوگا جہاں خوبصورت دورنگے سرورق کے ساتھ "اسلامی دنیا میں فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ" نامی ۱۳۶ صفحات پر مشتمل کتاب دستیاب ہے اور اہلِ علم کی توجہ کی طالب ہے۔ تاریخ فقہِ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے طلباء و باذوق قارئین اس کتاب میں اپنے ذوق کا سامان پائیں گے' تو لیجئے سرِ دست مطالعہ فرمایئے اس کتاب اور مؤلف کا تعارف علامہ محمد ابو زہرہ مصری کی زبانی.................(نور احمد شاہتاز)

علامہ احمد تیمورؒ کی تحریریں:

علامہ احمد تیمورؒ کی تحریر میں تین خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ بلکہ ہمارے زمانے میں

یہ خصوصیات صرف انہی کی تحریروں میں ملتی ہیں:

پہلی خصوصیت: درست الفاظ کا استعمال۔ انہوں نے جہاں بھی کوئی لفظ استعمال کیا ہے اس معنی کے لئے وہی لفظ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ گویا کہ وہ اسی معنی کے لئے وضع ہوا ہے۔ دوسرے کسی لفظ کی وہاں گنجائش نہیں ہوتی۔ اگر آپ اس لفظ کو وہاں سے ہٹا کر کوئی دوسرا لفظ رکھ دیں تو عبارت کی وضاحت میں مشکل پیش آئے گی اور صحیح مطلب سمجھنے میں اُلجھن اور پیچیدگی پیدا ہو جائے گی۔ لیکن اگر ان کی عبارت کو اصل شکل میں رکھا جائے تو وہ نہایت آسان اور ہر لحاظ سے مکمل نظر آئے گی۔

دوسری خصوصیت: بغیر کسی جھول کے ایجاز۔ جب آپ ان کی تحریر پڑھیں گے تو محسوس کریں گے کہ انہوں نے اس میں جس مطلب کو واضح کرنے کا قصد کیا ہے اس کے قلیل ترین حصہ کو بھی واضح کئے بغیر نہیں چھوڑا ہے۔ اور یہ بھی بغیر کسی ابہام کے۔ اس قسم کا مکمل ایجاز دراصل اطنابِ مرسل سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ اطناب میں تو یہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے معانی اور مطالب ذہن میں آتے جاتے ہیں لکھنے والا ان کو سپرد قلم کرتا رہتا ہے۔ وہ یہ سوچنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کرتا کہ الفاظ وہ استعمال کئے جائیں جو مطلوبہ معانی سے زیادہ وسعت رکھتے ہوں اور ایسے مناسب و موزوں ہوں کہ دوسرا لفظ ان کی جگہ نہ آسکے۔ بغیر جھول کا ایجاز وہی ہوتا ہے جس میں الفاظ تھوڑے استعمال کئے جائیں لیکن معنی کے لحاظ سے وہ بہت جامع ہوں اور عبارت میں کوئی جھول بھی پیدا نہ ہو۔ اس مقام پر مجھے مرحوم سعد زغلول کا ایک جملہ بڑا بھلا لگتا ہے جو انہوں نے اپنے کسی دوست کے نام ایک خط میں لکھا تھا۔ اس خط میں اطناب تھا (یعنی مضمون کو بہت پھیلا کر بیان کیا گیا تھا) انہوں نے اس خط کے آخر میں لکھا: ”میں نے اس خط میں جو اطناب سے کام لیا ہے اس میں مجھے معذور سمجھیں کیونکہ میرے پاس ایجاز کے لئے وقت نہیں ہے۔“

تیسری خصوصیت: عبارت میں پُرسکون جمال۔ اگرچہ بعض اوقات ان کے جملوں میں الفاظ کی چمک دمک نہیں ہوتی، لیکن اکثر یہ عبارتیں الفاظ کے جمال اور حقائق و معانی کے جلال کا ایک حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اندازہ ہی نہیں

لگاسکتا کہ آیا یہ عبارت صرف اپنے حسنِ معانی کی وجہ سے اچھی لگ رہی ہے یا اس میں الفاظ کے حسین لباس کے علاوہ بھی کوئی اور چمک دمک کا سبب ہے۔ اس جمال و رعنائی کے ساتھ ساتھ ان کی تحریر بڑی مرتب ہوتی ہے اور اس کی بندش چست ہوتی ہے۔ اس میں ہم آہنگی اور موزونیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

کتاب ”مذاہبِ اربعہ“

ماہ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں جامعہ قاہرہ کے ”لاکالج“ میں شرعی قوانین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ڈپلومہ کا کورس شروع کیا گیا کیونکہ اس کا وجود اس وقت کی علمی ضرورت تھی۔ جب اس کورس کے طلبہ شرعی قوانین کی طرف متوجہ ہوئے اور ان میں سے ہر ایک کو اس موضوع پر ایک مقالہ لکھنے کو کہا گیا تو ان میں سے بعض طلبہ کو مصادر و مآخذِ شریعت کا سمجھنا اور اس کی پیچیدگیاں حل کرنا دشوار معلوم ہوا۔ لہٰذا ایسی تدریس کی ضرورت محسوس ہوئی جو اس سلسلے میں ان کی صحیح رہنمائی کر سکے اور ان کے لئے یہ کام آسان کر سکے۔ کیونکہ اب لوگوں کی نگاہیں قاہرہ کے ”لاکالج“ کی طرف لگی ہوئی تھیں تاکہ وہ علم شریعت کے اس تازہ اور میٹھے چشمہ سے سیراب ہو سکیں۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ قانون کے طلبہ کے لئے شریعت کی تعلیم کو بہت غور و خوض کے بعد آسان بنایا جائے تاکہ وہ اس سلسلے میں صحیح تحقیقی طریق کار پر گامزن ہو سکیں۔ اس مقصد کے لئے یہ ضروری ٹھہرا کہ قدیم مجتہدین کے حالات و تعلیمات کے بارے میں تدریس کا آغاز کیا جائے تاکہ ماضی اور حال کو باہم ملایا جا سکے اور طلبہ مشرق کے نورِ علم سے اور اس کے ثمرات سے مستفید ہو سکیں۔ اس طرح دیکھا جائے تو شریعت کے ڈپلومہ کا یہ کورس طلبہ اور محققین کی اُمیدوں کا مرکز بن گیا۔

اس کورس کے طریق کار کو طے کرتے وقت ماہرین قانون اور کالج کے اساتذۂ شریعت پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا گیا جس کے سربراہ ہمارے استاذ محترم جناب احمد ابراہیم مرحوم تھے، حسنِ اتفاق سے یہ علامہ احمد تیمورؒ کے قریبی دوستوں میں سے تھے اور مشرق کے جیدہ علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

اس کورس کو پڑھانے کا طریق کار یہ ٹھہرا کہ ہر سال مذاہب مشہورہ کے اماموں میں سے ایک مجتہد کو لیا جائے اور ان کے وہ اصول پڑھائے جائیں جو فقہ اسلامی کے فکری گوشوں میں سے ایک گوشہ تصور کئے جاتے ہیں، لیکن مصادر و مآخذ فقہ اسلامی سے زیادہ دور نہ جایا جائے اگرچہ ان مصادر کے گرد مختلف نظریات قائم کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک انہی مصادر سے خوشہ چینی کرتا ہے اور انہی سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے، پھر درختوں اور پھلوں کی طرح بعد میں یہ مختلف رنگ اختیار کرتے ہیں، اگرچہ فی الجملہ ان کا ذائقہ ایک جیسا ہوتا ہے، کیونکہ ان کا سر چشمہ ایک ہے اور مٹی زرخیز ہے اور ان کے بیج ہم شکل ہیں، اور ان سب کا پھل صحت بخش ہے، وبا زدہ اور مضر صحت نہیں ہے۔

اس کورس کے سلسلے میں مجھے بھی ایک مجتہد کے بارے میں تحقیق کا کام سپرد ہوا۔ میں اس تحقیقی کام میں سیدھی راہ چلا، یا میں نے خیال کیا کہ یہی سیدھی راہ ہے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس مجتہد کے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں کثیر مواد بھرا پڑا ہے، بلکہ بعض اوقات تو وہ مواد ایک انبار نظر آیا جس میں ہیرے اور پتھر خلط ملط ہو گئے تھے اور ان کو چننا اور جانچنا آسان کام نہیں تھا۔ اور اصول و نظریات تو اور بھی نیچے دبے ہوئے تھے۔

اس تحقیقی کام میں یہ مشکل تو اپنی جگہ تھی، لیکن اس سلسلے میں اس سے بھی زیادہ جس تحقیق نے مجھے تھکا مارا وہ ان ملکوں اور شہروں کا تعین تھا جن کے باشندوں نے ان فقہی مذاہب کو قبول کیا، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں۔ یہ اس لئے ضروری تھا کہ اس مذہب کے زیر اثر علاقوں کا علم ہو جائے اور ان ملکوں اور معاشروں کا بھی علم ہو جائے جن کے رسوم و رواج اور عرف و عادات کو اس مذہب نے غیر منصوص امور میں لیا۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے مسلمانوں کے حالات کا علم رکھنا ہے جو ہر ایسے مسلمان کے لئے ضروری ہے جو علوم اسلامی کا طالب علم ہو۔ نیز حدیث نبوی ﷺ میں بھی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَمْ یهتم بالمسلمین فلیس منهم۔

جس کو مسلمانوں کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے۔

بہر حال اس مقصد کے لئے میں نے تمام لائبریریوں کو چھان مارا میں اس سلسلے میں ایسی کتاب کی تلاش میں تھا جو زیادہ ضخیم نہ ہو بلکہ چھوٹی سی ہو۔ بالآخر مجھے میرے مقصد کی چند کتابیں مل گئیں جن میں سے بعض تراجم علماء پر مشتمل تھیں اور ایک علامہ احمد تیمور کی یہ کتاب "المذاہب الفقہیۃ الاربعۃ" تھی۔ انہی کتابوں سے میری مشکل آسان ہو گئی اور مطلب حل ہو گیا۔

یہاں اس حقیقت کا اعتراف کرنا میرا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مذاہب اربعہ پر جن کتابوں کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے ان کی تحریر میں استاذ احمد تیمور مرحوم کی اس کتاب کا بہت بڑا حصہ ہے، میں نے دیگر بہت سی کتابوں کے ساتھ ساتھ اس کتاب سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں، جو حجم میں چھوٹی اور مواد کے لحاظ سے بہت بڑی ہے، میں نے وہ حقائق و مضامین پائے جن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس میں ہر بات بلا کم و کاست مستند حوالہ سے بیان کی گئی ہے، یہ کام ایسے پختہ اور معتمد عالم کے بس کا ہوتا ہے جو خفی او جلی سب طرح کے حقائق کا کھوج لگانا جانتا ہو۔

کتاب کا جائزہ :

اس کتاب کا آغاز ایک مختصر سے مقدمہ سے ہوتا ہے جس میں فقہ اسلامی کی تاریخ اور اس کے سرچشموں کا ذکر ہے۔ پھر وہ ائمہ اربعہ میں سے سب سے بڑے امام یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے مولد، وطن اور تلامذہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں۔ ان شہروں اور ملکوں کے نام بیان کرتے ہیں جہاں جہاں ان کا مذہب پھیلا۔ ان کے اصحاب کے عہدۂ قضاء پر فائز ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر تفصیل سے یہ بیان کرتے ہیں کہ کن کن شہروں اور ملکوں میں ان کے مذہب اور دیگر مذاہب میں رقیبوں کی حیثیت سے مقابلہ ہوا۔ پھر خاص طور پر ملک مصر میں دیگر مذاہب کے مقابلے میں اس مذہب کا مقام بیان کرتے ہیں، پھر سب ملکوں میں اس کے پھیلاؤ کا ذکر کرتے کرتے ایسے ملکوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ جہاں

یہ اقلیت میں رہا یا جہاں اس مذہب کے مقلدین کا صحیح تناسب معلوم نہیں ہوسکا یا جہاں اس کے وجود کا ہی علم نہیں ہے۔ چنانچہ ایک جگہ آپ فرماتے ہیں:

"اب رہا دیگر شہروں اور ملکوں میں مذہبِ حنفی کے داخل ہونے کا حال تو اس سلسلے میں سب سے زیادہ معلومات ہمیں اس کے چوتھی صدی میں فروغ پانے کے حالات سے ہوتی ہے جس کو مقدسی نے اپنی کتاب "احسن التقاسیم" میں ہر اقلیم کا حال بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یمن میں اہل صنعاء اور صعدہ کی اکثریت کا یہی مذہب تھا اور عراق کے اکثر فقہا اور قضاۃ کا بھی یہی مذہب تھا۔ ملک شام میں تو اس مذہب کو اس قدر تسلط حاصل تھا کہ وہاں کا کوئی قصبہ یا شہر بمشکل ایسا ملتا تھا جس میں کوئی حنفی نہ ہو۔ وہاں کے قضاۃ بھی اکثر حنفی ہوتے تھے، البتہ فاطمیوں کے دور میں وہاں اکثر امور فاطمی مذہب کے مطابق طے ہوتے تھے جیسا کہ فاطمی عہد میں مصر کا حال تھا۔"

پھر وہ اسی طرح ان علاقوں کا ذکر کرتے جاتے ہیں جہاں یہ مذہب رائج تھا اور جہاں بالکل ناپید تھا۔

پھر وہ مالکی مذہب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو مذہبِ "اہلِ حدیث" کے لقب سے پکارتے ہیں۔ اس کے اصل وطن یعنی مدینہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر بغداد میں اس کے ظہور اور چوتھی صدی ہجری میں اس کے زوال پذیر ہونے کا حال بیان کرتے ہیں۔ پھر اسلامی دنیا کے مغربی علاقوں میں اس کے داخل ہونے اور پھیلنے کا حال لکھتے ہیں کہ کس طرح وہ مصر اور اس سے متصلہ شمالی افریقہ کے ملکوں میں پھیل کر چھا گیا، یہاں تک کہ اندلس اور اس سے متصلہ بحرِ روم کے جزائر تک پہنچ گیا۔ پھر مشرق میں اس کے پھیلاؤ کا سراغ لگاتے ہیں جہاں وہ "رے" میں داخل ہوا، پھر ہندوستان پہنچا۔ الی آخرہ۔

وہ خاص طور پر مصر میں مالکی مذہب کے پھیلنے کا حال ذرا زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ سب سے پہلے کب مصر میں داخل ہوا اور اس کو کس نے داخل کیا۔

اس سلسلے میں مختلف روایات کا ذکر کرتے ہیں اور ان میں موازنہ کر کے تطبیق دیتے ہیں۔ پھر وہ عصر حاضر میں اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ شمالی افریقہ (تونس) میں پہلے حنفی مذہب کا غلبہ تھا لیکن بعد میں مالکی مذہب غالب آ گیا۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ اندلس میں سب سے پہلے مذہب "اوزاعی" داخل ہوا اور پورے ملک پر چھا گیا۔ پھر وہاں مالکی مذہب کو امویوں نے رائج کیا اور ۲۰۰ھ کے لگ بھگ مذہب اوزاعی وہاں سے مٹ گیا۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ اندلس میں مالکی مذہب کو وہاں کے اموی سلطان نے جبراً رائج کیا تھا کیونکہ امام مالکؒ نے اس اموی سلطان کی تعریف و توصیف کی تھی اور حرمِ مدینہ کے حاکم پر اس کو ترجیح اور فضیلت دی تھی۔ انہوں نے اندلس کے ایک محدث سے کہا تھا کہ "ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے حرم کو تمہارے بادشاہ سے زینت بخشے"۔

علامہ احمد تیمور اسی طرح مالکی مذہب کے پھیلاؤ کا ذکر کرتے چلے جاتے ہیں اور ہر اس شہر اور ملک کا ذکر کرتے ہیں جہاں اس نے رواج پایا۔

بقیہ دو مذاہب یعنی شافعی اور حنبلی جن جن علاقوں میں پھیلے اُن کا بیان بھی علامہ احمد تیمور اسی طرز پر کرتے ہیں جیسے حنفی اور مالکی مذاہب کے فروغ پانے کا ذکر کرتے ہیں، جن کی چند مثالیں ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس قابل قدر کتاب میں تین باتیں آپ کو خاص طور پر نظر آئیں گی:

اوّل یہ کہ مصنف نے کسی امام کی سوانح حیات تفصیلی طور پر بیان نہیں کی، اور نہ اس کے اصولِ فقہ سے بحث کی ہے کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ اس کی فقہی آراء کن اصولوں پر مبنی ہیں۔ دراصل ان دونوں امور کا بیان ان کا مقصود نہیں ہے، کیونکہ ان کی فقہ اور اصولِ فقہ سے بحث کرنا ایک فقہی کام ہے جو فقہا کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اس کی تعلیم دیں، اس کے مبادی و اصول بیان کریں اور دیگر فقہوں سے اس کا موازنہ کریں۔ رہی دوسری بات یعنی ائمہ کی سوانح حیات سو وہ ان کی کتب مناقب میں موجود ہیں، لہٰذا جو چیز تفصیلی طور پر یکجا میسر ہے اس کو پھر دُہرانا مصنف کے لئے مناسب نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی

ساری توجہ اس موضوع پر مرکوز رہی جس کا مواد متفرق کتابوں میں بکھرا ہوا تھا اور ایک جگہ جمع نہیں تھا۔ اس زمانے میں کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی تھی جس میں فقہی مذاہب کے بارے میں یہ بکھری ہوئی معلومات یکجا مل جائے کہ ان مذاہب کے مخصوص علاقے کون کون سے ہیں، کس سرزمین پر وہ زیادہ پھیلے اور کہاں کہاں ان کو کم پذیرائی حاصل ہوئی۔ بالآخر استاذ احمد تیمور نے اس خلا کو پُر کیا۔ یہ ان کا بڑا قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔

دوسری بات آپ یہ دیکھیں گے کہ کسی فقہی مذہب کو کسی ملک یا شہر میں مستقل طور پر پورا غلبہ حاصل نہیں ہو سکا بلکہ ضرور کوئی دوسرا مذہب وقتاً وقتاً اس سے مقابلہ کرتا رہا، یا کبھی اس کے غلبہ کے دوران ایک پُر امن ہمسایہ کے طور پر اس کے ساتھ موجود رہا۔ اسی وجہ سے آپ دیکھیں گے کہ مصنف نے ایک مذہب کا ذکر متعدد ممالک میں کیا ہے جبکہ کسی اور مذہب کا ذکر بھی ان ممالک میں کیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی ایک مذہب کسی خاص ملک میں اکثریت میں ہوگا تو دوسرا اقلیت میں۔

تیسری بات جو آپ اس وقیع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے وہ اقتباسات کی کثرت ہے، یعنی مصنف نے اکثر جگہ اپنے ماخذوں کے اصل الفاظ نقل کیے ہیں۔ یہ بات دراصل فاضل مصنف کی پختگی اور قابلِ اعتماد ہونے کی دلیل ہے کہ وہ خود اپنے ماخذوں کے الفاظ میں اپنی بات قارئین تک پہنچا رہا ہے تاکہ قاری براہِ راست اس ماخذ کے الفاظ سے واقف ہو اور اس کو یقین ہو جائے کہ مصنف نے جو بات نقل کی ہے وہ صحیح اور سچی ہے۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلاف کا علم ہمیں اس طرح منتقل کیا جائے کہ وہ ہمارے ذہن کو مخاطب کرے کیونکہ اکثر اسلاف کا کلام حکمت کی کان ہوتا ہے۔

ہمارے قدیم زمانے کے مصنفین کی تحریر و تصنیف میں یہی خصوصیت تھی جو ان کی عبقریت شمار ہوتی تھی، یعنی وہ قدیم کتب سے اقتباسات کو اس طرح منتخب کر کے باہم مرتب کرتے تھے کہ نہ ان میں کوئی جھول نظر آتا تھا اور نہ کوئی تضاد پیدا ہوتا تھا ان کی پوری عبارت میں کوئی جملہ ایسا نظر نہیں آتا تھا جو اجمل بے جوڑ ہو، یا دو جملوں میں کوئی تنافر یا بیگانگی ہوتی تھی۔

یہ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ ہر شخص انجام دے سکے، بلکہ ایک ماہر اور تجربہ کار شخص ہی اس کا حق ادا کر سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ماہر آثارِ قدیمہ کھنڈرات کے علاقہ میں ایک منہدم دیوار کے پاس آئے جس کے پتھر ٹوٹ کر ہر طرف بکھر گئے ہوں۔ وہ ماہر اس کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کرے اور ان کو باہم جوڑ کر ایسا برتن طشت وغیرہ بنا لے جو اس کے زمانے میں رائج برتنوں جیسا ہو۔ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس نے یہ برتن ایسے ٹکڑوں کو ملا کر بنایا ہے جن میں کوئی ہم آہنگی نہیں تھی، لیکن اب اس نے ان کو ہم آہنگ کر لیا۔

نکتہ کی بات یہ ہے کہ علمی تحریر و تصنیف عام انشاء پردازی کی طرح نہیں ہوتی کہ حسین الفاظ استعمال کر کے یا خوبصورت جملے گھڑ کر کام چلا لیا جائے، بلکہ علمی تحریر و تصنیف کے لئے ضروری ہے کہ الفاظ و معانی میں مکمل ہم آہنگی ہو اور بکھرے ہوئے حقائق کو اس طرح سمیٹ کر یکجا کیا جائے کہ وہ اپنی ذات میں ایک مستقل وجود نظر آئیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اب تک ایسے دو عظیم مصنف نہیں دیکھے جو اس قسم کی تصنیفی مہارت میں باہم ایسی مشابہت رکھتے ہوں جیسی استاذ احمد تیمورؒ اور ان کے دوست عظیم فقیہ استاذ احمد ابراہیمؒ میں پائی جاتی تھی۔

بعض لوگ جو تحریر و تصنیف میں ابھی محض طفلِ مکتب ہیں وہ اس کو بہت معمولی کام سمجھتے ہیں اور حقارت آمیز انداز میں کہتے ہیں:

> ''اس کتاب سے تو بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصنف کے پاس ایک بڑی لائبریری ہے جس کا اس نے فائدہ اٹھایا۔''

یہ جملہ میں نے اپنی جامعہ کے ایک استاذ سے سنا تھا جو اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ ان کی طرح اور بہت سے لوگ اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ وہ تحریر و تصنیف کو محض عبارتوں کی بھرمار، اقوال کی تکرار، دوسروں کے الفاظ میں تغیر اور جملوں میں تبدیلی سے تعبیر کرتے ہیں، بے شک استاذ احمد تیمور مرحوم نے اپنی کتاب کو متعدد فنون کی کتابوں میں بکھرے ہوئے مواد سے جمع کر کے لکھا ہے۔ یہ کتابیں

مختلف فنون سے تعلق رکھتی تھیں، مثلاً عام تاریخ، جغرافیہ اور معاجم البلدان، تراجم علماء، مناقب ائمہ، سفر نامے وغیرہ بعض اوقات آپ دیکھیں گے کہ اس کے ایک صفحہ پر پانچ مآخذ کا ذکر ہے حالانکہ یہ صفحہ سولہ سطر سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ کتاب کے کسی صفحہ پر دو مآخذ سے کم ماخذوں کا ذکر نہیں ہے۔

جب بھی ان ماخذوں کے بیانات میں تعارض ہوتا ہے تو وہ ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ ہمیشہ اپنے قول کو اس کے مآخذ کی طرف منسوب نہ کرتے تو یہ گمان بھی نہ ہوتا کہ اس میں اکثر اقتباسات ہیں جو باہم جوڑ لئے گئے ہیں۔

میں نے ایک بار سوچا کہ گن کر دیکھوں کہ انہوں نے اپنی کتاب لکھنے میں کتنی کتابوں سے مدد لی ہے تو وہ سو کے قریب نکلیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو محنت ومشقت انہوں نے اس "حجم میں چھوٹی اور فائدہ میں بڑی" کتاب کی تیاری میں اٹھائی ہے اس کی میرے دل میں بڑی قدر ومنزلت ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ انہوں نے ایک علمی خلا کو پُر کیا جو ان سے پہلے کوئی نہ کر سکا تھا۔ ان کے بعد مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہیں آیا جو اُن کے ساتھ کاندھا ملا کر چل سکتا ہو یا جو راہ انہوں نے نکالی تھی کم از کم اسی پر گامزن ہو سکتا ہو۔

ایسا ہی علمی خلا دیگر چار مذاہب کی تاریخ میں بھی موجود ہے جس کو پُر کرنے کی ضرورت ہے، یعنی مذہبِ زیدی، مذہبِ امامیہ (اثنا عشری) مذہبِ ظاہری اور مذہبِ اباضی کے ظہور اور فروغ پانے کے سلسلے میں۔

ہم نے اپنی کتابوں میں ان میں سے بعض مذاہب کے بارے میں تھوڑا بہت لکھا ہے، لیکن وہ اس سے بہت کم ہے جو عالمِ جلیل احمد تیمور پاشاؒ نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، اسلامی خدمات کے سلسلے میں ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور بعد میں آنے والوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان کے چھوڑے ہوئے علمی اثاثہ سے مستفید ہوں۔

اِنَّہٗ سَمِیْعٌ مُّجِیْبٌ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اختلافِ ائمہ مجتہدین

اسباب و آداب

تحریر: حافظ محمد سعد اللہ

مدیرِ منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

کن مسائل میں اختلاف ہوا؟

ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ کے درمیان اختلافات (یا حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بقول مسائل میں توسع و تنوع)(۱)، کے اسباب بیان کرنے سے قبل مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس امر کی صراحت کر دی جائے کہ ائمہ مجتہدینؒ کے درمیان اختلاف کن مسائل میں ہوا ہے؟ تاکہ بعض حلقوں کی طرف سے ائمہ مجتہدینؒ پر بغیر سوچے سمجھے "تفریق امت" اور وحدت امت کو پارہ پارہ کرنے کے الزام کی حقیقت بھی سامنے آ جائے۔ تو اہلِ علم اور اہلِ انصاف بخوبی جانتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف اصولی، اساسی، قطعی الثبوت و صریح الدلالہ احکام یا قرآن مجید کے الفاظ میں "بینات" کے اندر نہیں ہوا بلکہ ان مسائل و احکام میں ہوا ہے جو اپنے ثبوت صحت اور دلالت میں قطعی نہیں بلکہ ظنی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں "غیر بیناتی" ہیں اور ان پر دین کا مدار بھی نہیں۔ بلکہ

۱۔ قال سفیان الثوریؒ لاتقولوا اختلف العلماء فی کذا بل قولوا قد وسع العلماء علی الأمة بکذا (حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: یہ نہ کہو کہ علماء نے فلاں مسئلہ میں اختلاف کیا بلکہ یہ کہو کہ علماء نے اس طرح امت کے لئے وسعت و گنجائش پیدا کی۔)

شعرانی، عبدالوہاب: المیزان الکبریٰ ج ۱ ص ۲۱، بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور ص ۲۱۷،

وہ فروعی قسم کے احکام و مسائل ہیں۔ پھر ان میں بھی ائمہ مجتہدین بقول علامہ کوثری "دو تہائی مسائل میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہیں اور باقی ایک تہائی مسائل میں بھی جائز اور ناجائز کا اختلاف نہیں بلکہ فتوی اور تقوی اولیٰ اور عدم اولیٰ اور احوط و اَلْیَسَرُ (زیادہ احتیاط اور زیادہ آسانی اس رائے میں ہے) کا اختلاف ہے" (۱) امام جصاص کے مطابق: "فقہاء کا اختلاف ان امور میں صرف اس حد تک ہے کہ افضل اور بہتر کیا ہے"۔ (۲)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ احکام شریعت دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو بنیادی اصولی اور اساسی نوعیت کے ہیں، جن پر دین و ایمان کا دارومدار ہے، خواہ ان کا تعلق اعتقادات سے ہو یا اعمال سے مثلاً توحید، رسالت، آسمانی کتابوں، اخروی زندگی، بعث بعدالمماۃ، عذاب قبر اور فرشتوں کے وجود پر ایمان لے آنا۔ نماز روزہ حج زکوۃ، ارکان اربعہ کی فرضیت، زنا، شراب نوشی، سود اور جوئے وغیرہ کی حرمت۔ ان کی حیثیت دین کے حدود اربعہ کی ہے۔ ان کا انکار دین کا انکار اور کفر ہے۔ ایسے مسائل میں اختلاف اجتہاد نہیں بلکہ گمراہی اور اتباع غیر سبیل المومنین ہے۔

دوسری قسم کے احکام وہ ہیں جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں۔ ان میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سے زیادہ مختلف ارشادات منقول ہیں۔ ان ارشادات نبوی ﷺ میں تقدم و تاخر سے ناواقفیت یا موقع و محل سے ناآگہی کی وجہ سے بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے۔ یا کتاب و سنت میں ان کی تعبیر کے لئے ایسے الفاظ استعمال کیے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کا احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس و رائے پر رکھی گئی ہو اور مختلف اشخاص کی آراء میں تفاوت ایک فطری اور طبعی بات ہے۔ ایسے احکام میں غور و فکر اور اجتہاد و استنباط مسائل کے اہل علماء جن کو عام اصطلاح میں مجتہدین کہا جاتا ہے، کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو تو مذموم نہیں، محمود ہے اور شریعت کے خلاف نہیں بلکہ شریعت میں

۱۔ علامہ زاہد الکوثری: مقالات الکوثری ص ۱۲۱ طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی،

۲۔ جصاص: احکام القرآن: ۱: ۲۰۴، بحوالہ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ ص ۱۲۳، طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور،

مطلوب و مقصود اور اس بات کا مظہر ہے کہ۔

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَ حُسْنُكَ وَاحِدٌ

وَكُلٌّ اِلٰی ذَالِكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

اختلاف کا جواز و حکمت:

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر امام شاطبی نے الموافقات جلد چہارم کی کتاب الاجتہاد کے تیسرے مسئلہ میں تفصیلاً بحث کی ہے اور پھر اس اختلاف کے "منشاء الٰہی" اور "مرضی رسول" صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے ثبوت پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنے "مقدمہ تدوین فقہ" میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے لگ بھگ بڑی طویل مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم اس بات پر قادر تھے کہ فروعی احکام کو اعتقادات و فرائض و واجبات و ضروریاتِ دین کی طرح واضح الفاظ میں اپنی "کتاب محفوظ" میں ذکر فرما دیتے یا کم از کم ان احکام کی تفصیلات و جزئیات کو عہد رسالت سے نماز، روزے کی طرح آج تک ایک اتنی بڑی جماعت کے ذریعے نقل و ابلاغ کراتے کہ وہ تواتر کا درجہ حاصل کر لیتی اور امت میں کوئی اختلاف نہ ہوتا، لیکن ایسا نہ ہوا کہ خدا کو یہی منظور تھا کہ اساسیات اور بنائے دین قسم کے مسائل میں تو بحث کا دروازہ نہ کھولا جائے مگر دوسرے فروعی و اجتہادی قسم کے مسائل میں غور و فکر اور بحث و تدبر کا درجہ کھلا رکھا جائے تاکہ فقہاء امت کے اس مخلصانہ اختلاف سے امت کے لئے وسعت پیدا ہو۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے معروف صوفی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان اختلافی مسائل میں پنہاں ایک عجیب اور ایمان افروز حکمت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:(۱)

"نسل انسانی میں جو ذات سراپا محمد (ستورہ صفات) بنا کر پیدا کی گئی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی ستورہ صفات کہ شاعر النبی حضرت حسان بن ثابتؓ کے مشہور نعتیہ شعر۔

۱۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ، ص ۱۷۸، ۱۷۹، طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور،

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ"

کو سن کر کہنے والا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ یہ شعر نہیں بلکہ واقعہ تھا، ظاہر ہے کہ جو ذات ایسی ہو اس کے ہر فعل اور ہر فعل کے ہر پہلو کو ابد تک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے لئے اگر قدرت نے یہ کیا کہ کسی نہ کسی جماعت یا فرد کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ وہ اسی کو اختیار کرے تو محبت کا اقتضا اور کیا ہو سکتا ہے۔ شیخ (ابن عربیؒ) کا خیال ہے کہ جو نمازوں میں رفع یدین کرتے ہوئے خدا کے سامنے جھکتے اور اور اٹھتے بیٹھتے ہیں وہ بھی اسی فعل کے جلوے کو خدا کے سامنے پیش کر رہے ہیں جسے خدا چاہتا ہے اور جو اس عمل کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتے ہیں وہ بھی وہی کر رہے ہیں جنہیں خدا کا محبوب بندہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتا تھا"۔

اختلافات کے اسباب

ائمہ مجتہدین کے درمیان غیر بیناتی غیر منصوص اجتہادی مسائل میں طبعی میلان، ذوق اور فہم و فراست میں اختلاف و تفاوت کے باعث اختلاف ہو جانا ایک فطری امر تھا تاہم اس اختلاف کے کچھ ظاہری اسباب بھی تھے۔ متعدد اہل علم و تحقیق نے کمال محبت جستجو اور باریک بینی سے ان اسباب اور بنیادوں کا سراغ لگایا ہے جو ائمہ مجتہدین کے درمیان جزوی اختلاف کا باعث بنے ہیں۔ ان اسباب کی تفصیلات جاننے سے قبل یہ بات ذہن میں رہے کہ ائمہ مجتہدین کے اختلاف کو ہمارے آج کے سیاسی مذہبی مسلکی گروہی طبقاتی لسانی، فرقہ وارانہ، متعصبانہ، متشددانہ، حاسدانہ، ریاکارانہ اور مفاد پرستانہ قسم کے اختلافات سے دور کا بھی تعلق اور واسطہ نہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

یہ پاک باز اور پاک طینت اور ہر قسم کے حسد، بغض، عناد، حب جاہ، دکھلاوا، ضد،

ہٹ دھرمی، مخالفت برائے مخالفت، عجب، کبر و غرور، اور اس قسم کے دیگر رذائل اخلاق اور قلبی و باطنی بیماریوں اور روگوں سے مبرا، رضائے الٰہی کے جویا، اتباع سنت نبوی ﷺ کے خوگر، محبان صحابہؓ واہل بیتؓ، علم دین کے خدمت گزار، امت مسلمہ کے غمگسار و خیر خواہ اور قرآن و سنت کے سچے پیروکار اور ماہرین ائمہ مجتہدین، جن کے دلوں میں اللہ کریم نے قرآن وحدیث کی خدمت اور شریعتِ محمدی ﷺ کی حفاظت کا لاجواب، عدیم النظیر اور کمال ذوق و شوق لگن اور انتھک محنت کا داعیہ پیدا کر دیا تھا۔ اور انہیں تفقہ فی الدین کی نعمت سے نوازا تھا، ان کے سوانح حیات طریق استنباط و اجتہاد اور طرز عمل اور سیرت و کردار کو دیکھ کر اگر آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں بندھی ہوئی تو آدمی اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان برگزیدہ حضرات (نور اللہ قبورہم) کا اپنے اجتہادات سے مقصود خالصۃ لوجہ اللہ غیر منصوص پیش آمدہ زندگی کے نئے مسائل میں قرآن اور سنتِ نبوی ﷺ کی قریب ترین روح تک پہنچنا تھا۔ وہ اس سلسلے میں امکانی حد تک سعی، قوت غور و فکر، مومنانہ فہم و فراست، عالمانہ وسعت نظر، مجتہدانہ و فقیہانہ بصیرت، دور بینی، باریک بینی اور خداداد ملکۂ استخراج و استنباط اور دیگر ممکنہ وسائل کو کام میں لا کر قرآن و سنت کے حقیقی منشا تک پہنچنے کی مخلصانہ کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلے میں اپنے دلائل کی صحت پر بھرپور اعتماد کے پیش نظر وہ دوسروں کے اختلاف یا لومۃ لائم کو بھی خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ دوسرے ان اجتہادات میں ان کے پیش نظر انسانی مصالح اور شریعت اسلامیہ کا عمومی مزاج (یسر، قلتِ تکلیف، تخفیف اور سہولت وغیرہ) بھی رہتا تھا۔ ان اصولوں اور طریق اجتہاد، اپنے اپنے فطری میلانِ طبع، معلومات، اپنے اپنے علاقے کی ضروریات کے پیش نظر ان میں اختلاف کا ہو جانا ایک قدرتی امر تھا تاہم ان اختلاف کے کچھ دیگر اسباب بھی تھے۔ امام شاطبی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابنِ رشد اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علاوہ دیگر کئی علماء نے بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ مجتہدین کے درمیان اختلافات کے چند نمایاں اسباب کا ذکر کرتے ہیں۔

﴿۱﴾...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باہمی اختلاف:

عام مسلمانوں کو شاید اس کا علم نہ ہو مگر اہل علم خصوصاً حدیث و فقہ سے مس رکھنے والے حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ جو اختلافات آج بظاہر ائمہ مجتہدین کی طرف منسوب ہیں ان اختلافات کا ایک بڑا حصہ دراصل صحابہ کرامؓ ہی کے باہمی اختلافات پر مبنی ہے اور ان ہی سے منتقل ہو کر اختلافات کا یہ قصہ تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور ان کے بعد کے طبقات فقہاء میں پہنچا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صحابہ کرامؓ کو من حیث الجماعت اللہ کریم نے بڑی عظمت و جلالت شان عنایت فرمائی ہے۔ انہیں ''رضی اللہ عنہم'' اور ''کُلًّا وعد اللّٰہ الحسنیٰ'' جیسی آیات اتار کر اپنی رضا اور جنت کا سرٹیفکیٹ عنایت فرمار کھا ہے۔ قرآن و حدیث ان کی توصیف اور فضائل و مناقب سے بھرے پڑے ہیں، تاہم سارے صحابہ طبعی فہم و فراست میں ایک جیسے نہ تھے۔ سب کا قدرتی حافظہ بھی یکساں نہ تھا۔ سب کو حضور اکرم ﷺ کی صحبت سے مستفید ہونے کا برابر موقعہ بھی نہ ملا تھا۔ اپنی معلومات، تجربہ اور پھر علمی فقہی اور اجتہادی بصیرت میں بھی سب مساوی نہ تھے۔ پھر ملکہ اجتہاد اور قوت استنباط و استخراج مسائل تو کسی سے زیادہ وہبی چیز ہے اس لئے غیر منصوص اور اجتہادی مسائل میں صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلافات ہوا، چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی دنیوی زندگی میں بھی اجتہادی مسائل کے اندر صحابہؓ کے درمیان اختلاف رونما ہوا اور بعد میں بھی۔ اجتہاد میں جو مرتبہ خلفاء راشدین، عبادلہ اربعہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت زید بن ثابت اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا وہ دوسرے جلیل القدر اور عظیم الشان صحابہؓ کا نہ تھا۔

تاریخ اسلام کے ہر طالب علم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ صحابہ کرامؓ جو امت کے لئے معیار حق کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے مابین بہت سے علمی و شرعی مسائل میں فروعی اختلافات رونما ہوئے اور بعض مسائل پر تو کئی کئی دنوں تک بحث و تمحیص بھی ہوتی رہی۔ چنانچہ سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد،

جیش اسامہ اور سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم یزید کے خلاف خروج جیسے معرکہ آراء مسائل کے پہلو بہ پہلو عبادات معاملات وراثت، طلاق، نفقہ، تعزیرات وغیرہ ایسے سینکڑوں فروعی معاملات میں زبردست اختلافات ابھرنے اور قائم رہے۔ لیکن کبھی ان اختلافات کو کسی ایک بھی صحابیٔ رسول ﷺ نے مذموم یا تفریقہ انگیز نہیں سمجھا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرامؓ کے درمیان بعض فقہی مسائل میں اختلاف لائے ہوا اور رسول رحمت ﷺ نے نہ صرف اختلاف کو درست گردانا بلکہ دونوں فریقوں کو اطاعت و امتثال حکم اور حسن نیت و اخلاص کے لحاظ سے صائب ٹھہرایا۔ جس سے شریعت کے فروعی مسائل میں فقہی و اجتہادی اختلافات کا نہ صرف جواز فراہم ہوا بلکہ ان اختلافات کی بنا پر امت کے لئے مختلف ادوار و احوال میں نت نئے تمدنی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اتباع شریعت کے دائرہ میں وسعت اور سہولت کے لامتناہی احکامات اجاگر ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف اور حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل کے آخر میں صحابہ کرامؓ کے درمیان مسائل میں باہمی اختلافات کے نو۔ دس اسباب گنوائے ہیں اور ان کے ماتحت صحابہؓ کے باہمی اختلافات کی متعدد مثالیں. بیان کی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "رفع الملام عن ائمۃ الاعلام" میں صحابہ کرامؓ کے اختلافات کی کئی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے اس بحث کے آخر میں لکھا ہے:

الغرض صحابہ کرامؓ کے مذاہب مختلف ہوگئے اور ان میں سے تابعین نے جس میں سہولت دیکھی اختیار کرلیا۔ اس طرح علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنی اپنی توجیہہ کے مطابق علیحدہ مسلک ہوگیا۔ اور اس طرح ہر علاقے میں ایک امام بن گیا۔ جیسے حضرت سعید بن مسیب اور سالم بن عبداللہ بن عمران کے بعد زہری، قاضی یحییٰ بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن مدینہ منورہ میں، عطاء بن ابی رباح مکہ میں، ابراہیم النخعی اور شعبی کوفہ میں حسن بصری بصرہ میں، طاؤس بن کیسان یمن میں اور مکحول شام میں امام بنے۔

سعید بن المسیب اور ان کے ہم خیال اصحاب کی رائے یہ تھی کہ حرمین شریفین

کے رہنے والے تفقہ میں سب سے اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ ان کے مسلک کی بنیاد حضرت عمر، حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ اور مدینہ منورہ کے قاضیوں کے فیصلوں پر تھی۔ یہی فقہی اثاثہ آگے چل کر امام مالک کے مسلک کی بنیاد ٹھہرا۔

ابراہیم نخعی اور ان کے اصحاب کی رائے تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب فقہ میں ممتاز و مستحکم مقام رکھتے ہیں۔ نیز امام ابو حنیفہ نے بھی اوزاعیؒ سے کہا کہ ابراہیم نخعی سالم بن عبداللہ بن عمر سے زیادہ فقیہہ ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے فتاویٰ، حضرت علی المرتضیٰ کے فیصلوں اور قاضی شریح و دیگر قضاۃ کوفہ کے فیصلوں پر ہے۔

صحابہ کرام کے بعد یہی حضرات ایسے تھے جو مختلف مقامات میں لوگوں کی توجہات کا مرکز بنے۔ ان کے پاس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث تھیں۔ صحابہ کرامؓ کے اجتہادات، اقوال، آراء، فیصلے اور فتاویٰ تھے۔ علاوہ ازیں کچھ نئے حالات و مسائل بھی تھے، جن میں ان حضرات کی مستقل رائیں تھیں۔ اجتہاد و استنباط کے مختلف طریقے اور مختلف نقطہ نظر تھا۔ ہر علاقے کے عوام و خواص اپنے اپنے علاقے کے ائمہ و فقہاء پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ یوں آگے چل کر علیحدہ علیحدہ فقہی مسالک معرض وجود میں آئے۔

﴿ب﴾...... حدیث امام تک پہنچی ہی نہ ہو:

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے "رفع الملام عن الائمۃ" کے آغاز میں ہی اس امر کی صراحت کردی ہے کہ جن ائمہ مجتہدین کو اس امت کی جانب سے قبول عام کی سند حاصل ہوئی اُن میں ایک بھی ایسا نہیں جس نے کسی بڑے یا چھوٹے معاملے میں کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہو۔ تاہم یہ بات ہو سکتی ہے کہ کوئی حدیث امام تک پہنچی ہی نہ ہو۔ ظاہر ہے جب وہ حدیث ان کو ملی ہی نہیں تو اس پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ وہ امام اس حدیث پر عمل کرنے کا شرعاً مکلف ہے۔ حدیث موصول نہ ہونے کی

صورت میں اس نے کسی آیت وحدیث کے ظاہری مفہوم یا اپنے قیاس اور استحباب الحال کی بنا پر جو بھی فتوی دیا وہ اس حدیث کے موافق بھی ہو سکتا ہے مخالف بھی۔ ائمہ سلف سے جو اقوال بعض احادیث کے خلاف منقول ہیں اس کی بڑی وجہ یہی ہے۔

امت محمدیہ (ﷺ) کا کوئی بڑے سے بڑا محدث یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اس نے جملہ احادیث نبوی ﷺ کا احاطہ کر لیا ہے۔ اس کی عمدہ ترین مثال حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا وجود مسعود ہے۔ بلاشبہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اعمال، اقوال اور سنن کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اہم مسائل میں انہیں احادیث کا علم نہ تھا جب کہ دوسرے صحابہؓ، جو مرتبہ میں یقیناً ان کے برابر نہیں تھے، ان کو جانتے تھے۔ مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ کو دادی کی میراث کے معاملے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان معلوم نہیں تھا(۱) اس طرح حضرت فاروق اعظمؓ جیسے جلیل المرتبت صحابیؓ کو یہ حدیث معلوم نہ تھی کہ اگر آدمی کو کسی گھر میں داخل ہونے کے لئے تین مرتبہ اجازت نہ ملے تو وہ آدمی واپس آجائے۔(۲)

علاوہ ازیں ابن تیمیہ نے کوئی چودہ عدد مسائل ایسے شمار کیے ہیں جن میں حضرت فاروق اعظمؓ کو حدیث نبوی ﷺ معلوم نہ تھی۔(۳) یہی حال دیگر صحابہ کرامؓ کا تھا۔

۱۔ (ا)۔ امام ذہبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱:۲، طبع حیدر آباد دکن۔

(ب)۔ ابن تیمیہ، رفع الملام عن الائمۃ الاعلام (مترجم) ص ۲۲، مطبوعہ طارق اکیڈمی فیصل آباد،

۲۔ (ا)۔ صحیح بخاری (ابواب الاستیذان باب التسلیم و الاستئذان ثلثا) ج ۲ ص ۹۲۳، طبع سعید کمپنی کراچی،

(ب)۔ صحیح مسلم (کتاب الآداب باب الاستیذان) ج ۲ ص ۲۱۰، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی،

(ج)۔ شمس الدین ذھبی: تذکرۃ الحفاظ: ۱:۶، طبع حیدر آباد دکن،

۳۔ ابن تیمیہ: رفع الملام عن الائمۃ الاعلام (اردو ترجمہ) ص ۲۳ تا ۳۱ طبع طارق اکیڈمی فیصل آباد،

﴿ج﴾...... مجتہد حدیث کی صحت واستناد سے واقف نہ ہو

اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حدیث تو مجتہد کو پہنچی ہو لیکن اس نے اس پر عمل نہ کیا ہو کہ اس کی صحت اس کے نزدیک مشکوک ہو۔ صحت کو تعلیم نہ کرنے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً حدیث کا کوئی راوی امام کے نزدیک مجہول الحال ہو یا کذب سے متہم ہو یا اس کا حافظہ خراب ہو یا وہ حدیث منقطع ہے وغیرہ وغیرہ حالانکہ وہ حدیث دیگر ائمہ کے نزدیک ثقہ راویوں سے بسند متصل مروی و منقول ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اکثر و بیشتر یوں کہہ دیتے:

> ''اندریں مسئلہ میرا قول یہ ہے اور فلاں حدیث پر مبنی ہے۔ اگر وہ حدیث صحیح الاسناد ہے تو پھر میرا قول یہی ہے''(۱)

واقعہ یہ ہے کہ اختلاف رائے کا یہ ایک اہم سبب تھا اور اس کا تعلق مختلف مجتہدین کے اپنے عہد کے حالات اور مقامی واقعات سے بھی تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد ہی سے اہل ہوس اور اہل ہوئی خصوصاً سبائیوں کی طرف سے وضع حدیث کا فتنہ کھڑا ہو گیا تھا جس نے محتاط علماء فقہاء اور ائمہ مجتہدین و محدثین کو چونکا دیا تھا اور وہ علم و تحقیق اور قبول واستناد کی راہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ تو اس معاملے میں بہت زیادہ محتاط تھے۔ (یار لوگوں نے امام صاحب کی اس احتیاط کو صرف ''سترہ احادیث'' کے علم پر محمول کر دیا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثر اہل علم اپنے ہی شہر کے اساتذہ فن کے علوم کو قبول کرتے تھے کیونکہ وہ ان کے حالات، ثقاہت، ضبط و عدالت اور ورع و تقویٰ کو بخوبی جانتے تھے۔ جبکہ دوسرے شہروں اور علاقوں کے محدثین اور راویوں کے بارے میں ان کو کماحقہ تحقیق نہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ ان کی روایت قبول کرنے میں نہایت درجہ حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے۔

۱۔ ایضاً ص ۲۴۳۔

﴿د﴾...... منسوخ ہونیکی اطلاع نہ ہو:

ائمہ مجتہدین میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اسلام میں ابتدأ ایک حکم تھا بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض اوقات کسی مجتہد کے پاس پہلا حکم پہنچتا ہے، دوسرا انہیں پہنچ پاتا اس طرح وہ پہلے ہی حکم پر عمل پیرا رہتا ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے ابتداءً آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے کی صورت میں وضو کو واجب قرار دیا تھا گویا اسے ناقض وضو مانا گیا تھا، مگر بعد کو آپ ﷺ نے یہ حکم منسوخ فرما دیا۔ غالباً اس نسخ کی اطلاع بعض فقہاء مثلاً اصحاب ظواہر تک بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ جیسے صحابیٔ رسول تک نہیں پہنچی تھی۔ چنانچہ یہ حضرات اسی پر قائم رہے کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔(۱)

﴿ھ﴾...... قرأت کا اختلاف:

قرآن مجید کے منصوص احکام جن کی تعبیر واضح اور ایک سے زیاد مرداد کا احتمال نہ رکھتی ہو، میں بالعموم فقہاء کے درمیان اختلاف رائے نہیں پایا جاتا۔ محدودے چند مواقع ہیں کہ ان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس اختلاف کا بڑا سبب قرأت کا اختلاف ہے۔ اختلاف قرأت کی مشہور مثال آیت وضو میں "وارجلکم" کی زیر اور زبر دونوں طریقوں سے قرأت ہے۔ زبر کی قرأت میں پاؤں کے دھونے کا معنی ظاہر ہے اور زیر کے ساتھ بادی النظر میں پاؤں پر مسح کا حکم مترشح ہوتا ہے۔ روافض نے زیر والی قرأت کو اصل بنایا اور پاؤں پر مسح کو ضروری قرار دیا۔ جمہور فقہاء نے زبر والی قرأت کو اصل مان کر پاؤں کے دھونے کا حکم دیا اور زیر والی قرأت کی تاویل کی۔

۱۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی (حاشیہ) ص ۳۸، طبع نور محمد کراچی،

﴿و﴾...... دلالت و تعبیر کی تعیین میں اختلاف:

الفاظ کی معنی پر دلالت اور تعبیر کا مفہوم متعین کرنے میں اختلاف رائے فقہی اختلاف یا ائمہ مجتہدین کے اختلاف کا غالباً سب سے اہم اور وسیع الاثر سبب ہے۔ اس کی متعدد صورتیں ہیں:

1۔ اشتراکِ لفظ:

اس کی ایک صورت "مشترک" کے معنی کی تعیین و تحدید ہے۔ مشترک المعنی الفاظ کے معنی کی تعیین میں عام طور پر تین صورتوں میں اختلاف کی نوبت آتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ لفظ دو متضاد معنوں کا احتمال رکھتا ہو۔ جیسے عدت کے بیان میں قرآن مجید نے عدت کی مدت "ثلثۃ قروء" بیان فرمائی ہے۔ لغوی اعتبار سے "قرء" (جس کی جمع قروء ہے) کا معنی حیض اور طہر دونوں کے ہیں۔ احناف نے پہلے یعنی حیض اور شوافع نے دوسرے یعنی طہر کے معنی کو ترجیح دی۔ ہدایہ اور بدائع الصنائع وغیرہ میں تفصیلی بحث ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ دو ایسے مختلف معنوں کی گنجائش رکھتا ہو جن میں تضاد نہ ہو، جیسے قرآن مجید نے محاربین کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ المائدہ میں "ان یقتلوا و یصلبوا الخ" فرمایا گیا ہے۔ یہاں او سے مالکیہ نے اختیار کا معنی اخذ کیا ہے کہ قاضی چاہے تو مجرم کو قتل کر دے اور چاہے تو سولی دے لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام شافعیؒ نے اس لفظ کو تفصیل کے معنی میں لیا ہے کہ رہزنی کے جرم کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ان کی سزا قتل ہے اور بعض کی سولی۔

تیسرے یہ کہ لفظ کے معنی میں کوئی اختلاف نہ ہو لیکن عربی قواعد کے اعتبار سے اس میں دو مختلف احوال کو مانا جا سکتا ہو اور دونوں صورتوں میں معنی مختلف ہو جاتا ہو مثلاً آیت دین میں ارشاد الٰہی ہے: وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ۔

اس میں "لا یُضَارَّ" سے معروف اور مجہول دونوں صیغے مراد لئے جا سکتے ہیں۔

2۔ اسی طرح بعض الفاظ حقیقت اور مجاز دونوں معنوں کا احتمال رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے مدلول کے متعین میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ مثلاً: وَلَا تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُم۔

کی آیت میں شوافع کا خیال یہ ہے کہ یہاں نکاح کے معنی "عقد نکاح" کے ہیں اس لئے ان کے نزدیک باپ کی جائز اور منکوحہ بیویاں ہی اس کے بیٹے کے لئے حرام ہوتی ہیں، جبکہ احناف کے نزدیک یہاں نکاح "وطی" کے معنی میں ہے اس لئے باپ نے جس عورت سے وطی کی ہو گی، وطی چاہے جائز طریقے (نکاح) سے ہو یا ناجائز طریقے (زنا) سے، وہ بیٹے پر حرام ہو گی۔

3۔ اسی طرح بعض الفاظ عموم و خصوص دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اور اسی طرح موجب اختلاف بن جاتے ہیں۔

5 صیغہ امر و نہی:

علی ہذا القیاس امر و نہی کے صیغے بھی اختلاف کا باعث بنتے ہیں۔ بعض ائمہ کے نزدیک امر کا صیغہ وجوب کا اور نہی کا صیغہ تحریم کا متقضی ہوتا ہے اور ان کے ندب یا کراہیت کے معنی لینے کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ بعض دیگر فقہاء کے نزدیک امر میں اصل ندب اور نہی میں اصل مفہوم کراہیت ہے اور ان سے انصراف قرینہ کا متقاضی ہے۔

مثلاً آیت مداینت / دین کے تحت اصحاب ظواہر نے قرض کے لئے لکھنا اور گواہ بنانا واجب قرار دیا ہے۔ ابن حزم کا خیال ہے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا اور دائیں ہاتھ سے کھانا بھی فرض ہے۔ جبکہ دیگر فقہاء نے ان تمام مسائل میں کتاب و سنت میں آنے والے امر کے صیغوں کو استحباب یا اباحت پر محمول کیا ہے۔

﴿ز﴾...... حدیث سے استدلال میں اختلاف

مجتہدین میں اختلاف کا ایک اہم سبب بعض احادیث سے استدلال و استنباط بھی ہے۔ بعض فقہاء بعض احادیث سے استدلال کرتے تھے جبکہ بعض اُن احادیث سے نہیں کرتے تھے مثلاً حدیث مرسل احناف اور مالکیہ کے نزدیک قابل حجت ہے بشرطیکہ ارسال کرنے والا خود بھی ثقہ ہو اور ثقہ راویوں سے روایت لیتا ہو جبکہ شوافع کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں ہے۔(۱)

۱۔ شاہ ولی اللہ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (مترجم) ص ۲۶ طبع علماء اکیڈمی لاہور،

میں نافذ کرنا اور باقی فقہی آراء پر عمل کرنے سے عوام کو روک دینا چاہتا ہے، تو امام مالکؒ اگر اپنے آپ ہی کو برحق سمجھتے ہوتے تو اس سے بڑھ کر ان کے پاس کوئی غنیمت موقع نہ تھا کہ بزور طاقت اپنا مسلک منوا لیتے اور اپنے معاصرین کو نیچا دکھاتے، مگر امام موصوف نے جس کمال انصاف اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا وہ آبِ زریں سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا:

"اے امیر المؤمنین ایسا ہرگز نہ کیجئے کیونکہ مسلمانوں کے پاس (دوسرے فقہاء کے) اقوال پہلے پہنچ چکے ہیں۔ احادیث بھی وہ سن چکے ہیں اور روایات روایت کر چکے ہیں۔ لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے وہ اس پر عمل پیرا ہو چکے ہیں۔ پس چاہیئے کہ ہر آبادی کے باشندے جو باتیں اپنے لئے پسند اختیار کر چکے ہیں انہی کے ساتھ ان کو چھوڑ دیا جائے۔"

یہ سن کر خلیفہ جس کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا کہا:

"بخدا اگر آپ مجھ سے اتفاق کرتے تو میں اپنے ارادے پر ضرور عمل کرتا"۔(۱)

اسی طرح بعد میں ہارون الرشید نے جب یہ چاہا کہ موطا امام مالک کو خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جائے اور عام مسلمانوں کو اسی کے مطابق عمل کرنے کے لئے کہا جائے تو پھر امام مالکؒ نے فرمایا:

"ایسا نہ کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اسلام کے فروعی مسائل میں باہم اختلاف رکھتے تھے وہی لوگ مختلف آبادیوں میں پھیل گئے۔ ان میں سے ہر ایک حق و صواب پر تھا۔(۲)

۱۔ (ا)۔ الشعرانی: المیزان الکبریٰ، طبع قاہرہ، ج ا ص ۴۶، قاہرہ،

(ب)۔ ابن عبدالبر: جامع بیان العلم وفضلہ (اردو ترجمہ) ص ۹۸، طبع ندوۃ المصنفین دہلی،

(ج)۔ شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۲۲، (اردو) طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور،

۲۔ الوانی: المیزان الکبریٰ طبع قاہرہ، ۱/۴۵،

اختلافِ ائمہ باعث توسع نہ کہ فرقہ بندی

قاری محمد طیب صاحب نے ائمہ کے درمیان اختلاف کے علمی وفکری فوائد شمار کرتے ہوئے ایک بڑی خوبصورت مثال کے ذریعے ان اختلافات میں توسع کے پہلو کو بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> "نیز امت کے لئے اور سہولت بھی بہم پہنچتی ہے کہ ہر مذاق کا طبقہ ہر مذاق کے امام اور اپنے مناسبِ مذاق علمی پہلو کو لے کر اپنی آخرت سنوار سکتا ہے۔ اس صورت میں اسلام ایک ایسے دریا کی مانند ہوگا جس کا ایک ہی گھاٹ نہ ہو بلکہ متعدد ہوں کہ جو راہ گیر جس جانب سے بھی گزرے سیراب ہو سکے اور اسے کسی ایک ہی گھاٹ کی طرف گھوم کر آنے کی مجبوری لاحق نہ ہو کہ ہر گھاٹ پر پانی بھی وہی ہے، مزہ بھی وہی ہے، البتہ سمت اور رُخ بدلا ہوا ہے، یا ایک عظیم الشان درخت کے مشابہ ہوگا جس کی ہزاروں شاخیں ہوں اور ہر سمت میں ہوں۔ تاکہ جدھر سے بھی کوئی آئے پھل کھا سکے۔ یا ایک عظیم الشان ایوان کی طرح ہوگا۔ جس میں ہزاروں دروازے ہیں کہ ہر جہت سے آنے والے ہر سمت سے مکان میں داخل ہو سکتے ہیں اور اس کے سامان سے راحت اٹھا سکتے ہیں۔ کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہونے کے مجبور نہیں۔"(۱)

امام شاطبی اور ابن عبدالبر وغیرہ نے اختلاف ائمہ میں امت کے لئے آسانی اور وسعت کے حوالے سے حضرت صدیق اکبرؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمدؒ کا بڑا عمدہ قول یا تجزیہ نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: حضرت قاسم بن محمدؒ نے فرمایا:

۱۔ قاری محمد طیب: اجتہاد اور تقلید ص ۶۹۔۷۰، طبع ادارہ اسلامیہ لاہور، ۱۹۷۸ء

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے اعمال میں اختلاف سے اللہ نے لوگوں کو بڑا نفع پہنچایا۔ جب آدمی کسی صحابیؓ کے عمل کی پیروی کرتا ہے تو اس خیال سے مطمئن رہتا ہے کہ یہ عمل مجھ سے بہتر آدمی (صحابیؓ) کا ہے۔"(۱)

صحابہؓ کے اختلاف پر تو خیر یہ بات صادق آتی ہے ہم عامیوں کے لئے یہی حال ائمہ کے اختلاف کا بھی ہے کہ امام مالکؒ کا نہ سہی امام ابو حنیفہؒ کا تو یہ عمل ہے یا امام شافعیؒ کا نہ سہی امام احمدؒ کا تو ہے اور ہم سے بہر حال اور یقیناً سب ہی بہتر اور خیر ہیں۔

اسی طرح معروف فقیر منش اور سرکاری طور پر تدوین حدیث کا اہتمام کرنے والے اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول ہے کہ:

"صحابہ کرامؓ کا اختلاف مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ پسند ہے"(۲)

سرخ اونٹ عرب کا ایک محاورہ تھا۔ مراد اس سے ایسی چیز لیتے تھے جس سے زیادہ بہتر اور قیمتی شے دنیا میں نہ ہو۔ پھر اپنے اس خیال کی توجیہہ بھی بیان فرمائی کہ:

"اگر ان امور میں ایک ہی فتوی ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے"۔(۳)

مختصر یہ کہ ائمہ مجتہدین کے اختلاف میں امت کے لئے تخفیف اور سہولت کا پہلو موجود ہے نہ کہ تفریق کا۔ لیکن اس کا حصول تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جب اختلاف کے آداب کی رعایت کی جائے اور بوقت احتیاط اختلاف کے کسی پہلو کو ترجیح دینے کی بجائے اس

۱۔ (الف)۔ امام شاطبی: الموافقات (جلد رابع کتاب الاجتہاد تیسرا مسئلہ) اردو ترجمہ ص ۲۰۰، زیر طبع دیال سنگھ لائبریری،

(ب)۔ ابن عبدالبر: جامع بیان العلم و فضلہ (اردو ترجمہ) ص ۱۷۰، دہلی،

۲۔ امام شاطبی: الموافقات (اردو ترجمہ زیر طبع) ج ۴، ص ۲۰۰،

۳۔ ابن عبدالبر: جامع بیان العلم و فضلہ (اردو ترجمہ) ص ۱۷۱،

پہلو کو ہی لیا جائے جس میں درپیش مشکل کا آسان حل موجود ہو:

"نظریہ مراعاۃ الخلاف" کے تحت امام شاطبی اور شعرانی وغیرہ نے اس تخفیف و سہولت اور توسع کی متعدد مثالیں نقل کی ہیں، جن کی یہاں گنجائش نہیں ہو سکتی۔

"نظریہ مراعاۃ الخلاف" کے حوالے سے احناف اور مالکیوں میں ماکولات اور مشروبات میں بعض چیزوں کے اندر اختلاف کے باعث مختلف علاقوں، ممالک اور منطقوں میں رہنے والے اور مختلف طبائع کے لوگوں کے لئے جتنی سہولت اور وسعت کا قدرتی انتظام ہوتا ہے اور یہ اختلافات ائمہ کسی طرح ہر انسان کے لئے دائرہ اسلام میں گنجائش پیدا کرتے ہیں، اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

> "اندازہ لگانے والے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان اختلافات کی بدولت اسلامی قانون اور اس قانون کے دائرہ میں کتنی عظیم وسعت پیدا ہو گئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ بیضہ اسلام سے قصداً و اختیاراً ہی نکلنے کا جنون کسی پر سوار ہو جائے تو خیر الگ بات ہے ان کوتاہ نصیبوں کا تو کوئی علاج نہیں، ورنہ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ جو اسلام ہی کے دائرہ میں جینا اور مرنا چاہتا ہے وہ پائے گا کہ گنجائشوں کے پیدا کرنے میں اسلام نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ یقیناً ان گنجائشوں کا ایک بڑا باب ان فقہی اختلافات ہی کی بدولت کھلا ہے اور اسی لئے بجائے شر کے میں ان اختلافات کو اسلام اور مسلمان دونوں ہی کے لئے خیر عظیم خیال کرتا ہوں۔"(۱)

۱۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مقدمہ تدوین فقہ، ص ۱۶۳، طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور،

مقالات الدکتوراہ

کراچی یونیورسٹی (شعبہ علوم اسلامی)

جامعہ کراچی میں کلیہ معارف اسلامیہ (Faculty of Islamic Studies) کا قیام ۱۹۶۴ میں عمل میں آیا۔ کلیہ کے پہلے سربراہ (Dean) معروف عالم دین، دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کے شیخ الحدیث علامہ سید منتخب الحق قادری مقرر ہوئے۔

کلیہ کے تحت ایک ہی شعبہ قائم ہو سکا جو شعبہ علوم اسلامی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس شعبہ کے یوم قیام سے تادم تحریر تقریباً چھتیس برسوں میں ۳۶ محققین نے مختلف موضوعات پر مقالات لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۹۹ء تک ۲۴ محققین مختلف موضوعات پر مقالات لکھ کر ڈگریاں حاصل کر چکے تھے۔ جبکہ ۱۲ تحقیق نگاروں کے مقالہ جات ڈگریز عطا کیے جانے کے لیے زیر غور تھے۔ علاوہ ازیں ۴۴ محققین مقالہ نگاری و تحقیق کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور نئے امیدواروں کے داخلے جاری ہیں۔

شعبہ علوم اسلامی نے فقہ اسلامی کے جن موضوعات کو تحقیق کے لیے منتخب کیا وہ حسب ذیل ہیں، موضوعات کے ساتھ تحقیق نگاروں کے نام بھی درج کیے جاتے ہیں۔

فقہ اسلامی میں اجماع — محمد میاں مالا باری

الامام الطحاوی و مسائله التی احتج بها الکوفیون — محمد طہ ابو العلاء خلیفہ

فی معانی الاثار دراسة مقارنة بین المذاهب الاربعة
والمذهب الجعفری فی بعض احکام الجنایات — عبد الرزاق قاسم الصفار

علامہ شیبانی بحیثیت محدث و فقیہ — عز الدین الشیخ

الزراعة وما يتعلق بها في الفقه الاسلامي	نصیر اختر
مضاربت اور بلا سود بنکاری	عبدالحق المعروف زیارت گل
دور جدید میں عرف کی حیثیت اور ضرورت	فہمیدہ بانو
پاکستان میں مروجہ قوانین تعزیرات کا تقابلی مطالعہ	مظہر علی شاہ
عصر حاضر کی سرمایہ کاری میں مشارکہ کا کردار	محمد عمران اشرف
سعودی عرب میں نافذ اسلامی قوانین کا تجزیہ	بحر اللہ
اصول استحسان کا شرعی ماخذ کی حیثیت سے جائزہ اور اس کا حکم	تاج محمد
خاتون اور قرآن کے معاشرتی قوانین	فرحت ناز رحمن
الخروج على الحاكم في المذاهب الاسلامية دراسة مقارنة	حسین حاجی
بر صغیر پاک و ہند میں چودھویں صدی ہجری میں مرتب ہونے والی کتب فتاویٰ کا تاریخی ارتقاء	غلام یوسف
مفتی محمد شفیع کی فقہی خدمات کا تحقیقی مطالعہ	شہناز غازی
عصر حاضر میں مسلمان خواتین کی ملازمت ایک تحقیقی مطالعہ	طاہرہ کوکب
بحیثیت فن اصول فقہ کا تاریخی و تحقیقی جائزہ	فاروق حسن
جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ کے کردار کا تحقیقی مطالعہ	محمد زبیر عثمانی
اسلامی نظام عدل کی روشنی میں پاکستان کے عدالتی نظام کا تحقیقی مطالعہ	کنیز فاطمہ

(بشکریہ شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی)

فقہ الانساب

مسئلہ کفو کے حوالہ سے

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نسب پر محققانہ بحث

مفتی سید شاہ حسین گردیزی

مفتی سید شاہ حسین گردیزی علمی حلقوں کی ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں، آپ نے علامہ غلام رسول سعیدی کی شرح صحیح مسلم میں شائع ہونے والے مسئلہ کفو کے ضمن میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کے نسب کے بارے میں علامہ سعیدی کی تحقیق کو تسلیم نہیں کیا اور ان سے اس مسئلہ میں علمی اختلاف کرتے ہوئے خود اس پر تحقیق کی ہے اور ایک نہایت مدلل مضمون سپردِ قلم کیا ہے۔

کفو کا مسئلہ مسائل نکاح میں سے ہے اور یہ ایک فقہی مسئلہ ہے چنانچہ مجلہ فقہ اسلامی میں اس مضمون کی اشاعت کا مقصد ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نسب کے حوالہ سے پیدا ہونے والے ابہام کو دور کرنے اور مسئلہ کفو کو واضح کرنے کی علمی کوششوں کی معاونت ہے۔

اہل علم میں سے کوئی صاحبِ علم کفو نسب کی اس خالص علمی، تاریخی بحث میں تحقیقی و علمی انداز میں شریک ہونا چاہیں تو ان کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ علامہ سعیدی اپنے مؤقف کی وضاحت میں کچھ کہنا چاہیں تو فقہ اسلامی کے صفحات ان کی وضاحت یا رجوع کی اشاعت کے لئے حاضر ہیں۔ (ادارت)

مولانا غلام رسول سعیدی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ حضرت زید بن حارثہ اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کے واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معزز ہاشمی لڑکی (زینب بنت جحش) کا نکاح ایک غلام (زید بن حارثہ) سے کر دیا اور یوں کفو کی بڑائی کے بتوں کے توڑنے کی ابتداء اپنے خاندان سے کی۔(۱)

مولانا سعیدی نے مندرجہ بالا عبارت میں حضرت زینب بنت جحش کو "ہاشمی لڑکی" قرار دیا ہے جو حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ تاہم حضرت زینب بنت جحش کا ہاشمی ہونا یا نہ ہونا کوئی معقولات کا مسئلہ نہیں کہ اس پر عقلی دلائل قائم کیے جائیں۔ یہ تو منقولات سے متعلق ہے اور علم حدیث، سیرت، تاریخ، انساب اور اسماء الرجال کی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر ان کتابوں سے ان کا ہاشمیہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو وہ ہاشمیہ ہیں اور اگر نہیں ہوتا تو وہ بنی ہاشم میں داخل تصور نہیں کی جا سکتیں۔

چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ پہلے قریش اور بنو ہاشم کے نسب پر بات کی جائے تاکہ یہ وضاحت ہو جائے کہ قریشی اور ہاشمی کسے کہیں گے۔ اس سلسلے میں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسب کو بیان کریں جو قریشی اور ہاشمی الاصل ہیں تاکہ مسئلہ کی حقیقی نوعیت واضح طور پر سامنے آجائے۔

قریشی و ہاشمی :

علماء انساب نے اپنی اپنی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ درج کیا ہے۔ محمد بن سعد کاتب واقدی لکھتے ہیں :

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیه وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن هاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فهر بن مالك بن نضر بن كنانه بن خزيمه بن مدركه بن الياس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔(۱)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شجرہ پر گفتگو میں ہم پہلے قریشی کی وضاحت کریں گے اور پھر ہاشمی پر بات ہوگی۔ قریشی کس کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ اہل علم کی اکثریت کا اجماعی فیصلہ ہے کہ قریش نضر

۱۔ مولانا غلام رسول سعیدی، شرح مسلم شریف، ج ۳، ص ۹۶۸۔
۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۸۔

کی اولاد ہیں اور ہم اس سلسلے میں بعض اہل علم کی تحقیق پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ ابن ہشام اپنی کتاب سیرت میں لکھتے ہیں:

النضر، قریش، فمن کان من ولدہ فھو قرشی. ومن لم یکن من ولدہ فلیس بقرشی (۱)

نضر، قریش ہے، جو اس کی اولاد ہے وہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد سے نہیں وہ قریشی نہیں۔

امام ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر لکھتے ہیں:

النضر ھو قریش، فمن کان من ولدہ فھو قرشی ومن لم یکن من ولدہ فلیس بقرشی۔(۲)

نضر، قریش ہے۔ جو اس کی اولاد سے ہے وہ قریشی ہے اور جو اس کی اولاد سے نہیں وہ قریشی نہیں۔

علامہ علی بن برہان حلبی لکھتے ہیں:

النضر ای ولقب بہ لنضارتہ و حسنہ و جمالہ واسمہ قیس و ھو جماع قریش، عند الفقھا فلا یقال لاحد من اولادہ من فوقہ قرشی و یقال لکل من اولادہ الذین منھم مالک و اولادہ قرشی. فقد سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قریش فقال من ولد النضر۔(۳)

نضر۔ اس کی نضارت اور حسن و جمال کی وجہ سے یہ ان کا لقب ہو گیا اور ان کا نام قیس ہے۔ وہ قریش کے جمع کرنے والے ہیں۔ فقہاء کے نزدیک ان سے اوپر والے کی اولاد کو قریشی نہیں کہا جائے گا اور ان کی تمام اولاد کو قریشی کہا جائے گا۔ ان میں سے مالک ہیں اور ان کی اولاد

۱۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۹۶۔

۲۔ امام ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۸۴۔

۳۔ علامہ علی بن برہان حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۱، ص ۱۶۔

قریشی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریش کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا نضر کی اولاد قریش ہے۔

ابن کثیر نے فرأ کا قول نقل کیا ہے کہ:

قال الفرأ. وبه سميت قريش' وهي قبيله و ابوهم نضر بن كنانه' فكل من كان من ولده فهو قرشي دون ولد كنانه فما فوقها۔(۱)

فرأ نے کہا ہے اسی وجہ سے ان کا نام قریش پڑ گیا اور وہ ایک قبیلہ ہے۔ ان کی اصل (یا باپ) نضر بن کنانہ ہیں تو جو ان کی اولاد سے ہو گا تو وہ قریشی ہے نہ کہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں اور ان کے اوپر والوں کی اولاد کے۔

ابو العباس المبرد لکھتے ہیں:

والنضر ابو قريش' ومن كان من بني كنانه لم يلده النضر فليس بقرشي۔(۲)

نضر قریش کی اصل اور باپ ہیں اور جو کنانہ کی تو اولاد ہیں مگر وہ نضر کی اولاد نہیں ہیں تو وہ قریشی نہیں ہیں۔

شیخ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

اما النضر بن كنانه فهو ابو قريش۔(۳)

نضر بن کنانہ قریش کے باپ ہیں۔

امام لغت و ادب شیخ ابن منظور لکھتے ہیں:

قريش قبيلة سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ابو هم نضر بن كنانه بن خزيمه بن مدركه بن الياس بن مضر فكل من كان من ولد النضر' فهو قرشي دون ولد كنانه ومن فوقه (۴)

۱۔ امام ابو الفداء ابن کثیر' السیرۃ النبویہ' ص ۸۷۔

۲۔ امام ابو العباس المبرد' الکامل' ج ۱' ص ۱۴۶۔

۳۔ شیخ ابن قتیبہ' المعارف' ص ۳۱۔

۴۔ امام ابن منظور' لسان العرب' ج ۶' ص ۳۳۵۔

ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ قریش ہے۔ ان کے باپ نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ تو جو نضر کی اولاد ہیں تو وہ قریشی ہیں نہ کہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں اور کنانہ کے اوپر والوں کی اولاد کے۔

فقیہہ جلیل امام ابن ہمام لکھتے ہیں:

ثم االقرشیان من جمعها اب هو النضر بن كنانة فمن دونه' ومن لم ينسب الا الى اب فوقه فهو عربي غير قرشي۔(۱)

تمام قریشیوں کے باپ نضر بن کنانہ ہیں۔ چنانچہ جو لوگ ان کے ماسوا ہیں یا نضر کے باپ کی طرف منسوب تو وہ عربی ہیں۔ قریشی نہیں ہیں۔

شارح ہدایہ شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

القريش من كان من ولد النضر' و الهاشمى من كان من ولد هاشم بن عبد مناف' والعربى من جمعهم اب فوق النضر (۲)

قریش وہ ہیں جو نضر کی اولاد ہیں اور ہاشمی وہ جو ہاشم بن عبد مناف کی اولاد ہیں اور وہ تمام عربی ہیں جن کا باپ نضر سے اوپر والا ہے۔

امام ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

القرشيان من جمعهما اب هو النضر بن كنانة فمن دونه. ومن لم ينستب الا لأبٍ فوقه. فهو عربي غير قرشي' والنضر هو الجدّ الثاني عشر للنبي صلى الله عليه وسلم۔(۳)

تمام قریشیوں کے باپ نضر بن کنانہ ہیں۔ جو ان کے ماسوا ہیں اور جن کا نسب ان کے آباء سے ملتا ہے وہ عربی غیر قریشی ہیں اور نضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں دادا ہیں۔

۱۔ امام ابن ہمام 'فتح القدیر' ج ۳' ص ۱۸۹۔

۲۔ شیخ جلال الدین خوارزمی 'کفایہ علی الہدایہ' ج ۳' ص ۱۸۸' علی الفتح۔

۳۔ امام ابن عابدین شامی' رد المحتار ج' ص ۳۴۵۔

ملا علی القاری المکی لکھتے ہیں:

اعلم ان قرشیین من جمعها اب هو النضر بن کنانة فمن دونه. ومن لم ینتسب الا الی اب فوقه فهو عربی غیر قرشی و انما سمیت اولاد النضر قریشا۔(۱)

تمام قریشیوں کے باپ نضر بن کنانہ ہیں۔ اور وہ جو ان کے نیچے ہیں اور جو نضر سے اوپر کسی کی اولاد ہیں وہ عربی اور غیر قریشی ہیں اور بے شک نضر کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

ان قریشا اسم لا ولاد النضر بن کنانة وهو الملقب بقریش اوّلا عند الجمهور۔(۲)

نضر بن کنانہ کی اولاد کا نام قریش ہے۔ جمہور کے نزدیک پہلے وہی قریش کے نام سے موسوم ہوئے۔

شیخ معین الدین المعروف ملا مسکین لکھتے ہیں:

القرشی من کان من ولد النضر' والعرب جمعهم اب فوق النضر۔(۳)

قریشی ہر وہ شخص ہے جو نضر کی اولاد ہے اور ہر وہ شخص عرب ہے جو نضر کے آباء میں کسی کی اولاد ہے۔

علامہ السید احمد طحطاوی لکھتے ہیں:

القرشی من جمعه النضر بن کنانة ومن لم ینتسب الا لاب فوقه فهو عربی غیر قرشی والنضر هو الجدّ الثانی عشر للنبی صلی الله علیه وسلم۔(۲)

۲۔ ملا علی القاری المکی' فتح باب العنایہ' ج ۱' ص ۴۷۵۔

۳۔ شیخ عبدالعزیز پرہاروی' نبراس' ص ۳۱۶۔

۱۔ شیخ معین الدین الہروی المعروف ملا مسکین' ملا مسکین شرح کنز الدقائق' ج ۲' ص ۱۴۱' علی حاشیہ فتح المعین۔

۲۔ علامہ سید احمد طحطاوی' حاشیہ در مختار' ج ۲' ص ۲۴۔

قریش تمام کے تمام نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں اور جو شخص نضر سے اوپر کسی کی اولاد ہے تو وہ عربی، غیر قریشی ہے اور نضر، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہویں دادا ہیں۔

حضرت شیخ علی خازن لکھتے ہیں:

قریش هم ولد النضر بن كنانة. فكل من ولده النضر فهو من قريش ومن لم يلده النضر فليس بقرشي۔(۱)

قریش وہ نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، جو بھی نضر کی اولاد ہے تو وہ قریش سے ہے اور جو نضر کی اولاد نہیں وہ قریشی نہیں ہے۔

حضرت شیخ بدر الدین ابن جماعہ لکھتے ہیں:

قريش. هم بنو النضر بن كنانة بن خزيمه بن مدركه۔(۲)

قریش نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کی اولاد ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اتفقوا على ان قريشاً ولد النضر بن كنانه. قال عليه الصلوٰة والسلام انا بنو النضر بن كنانه۔(۳)

قریش کے نضر بن کنانہ کی اولاد ہونے پر اتفاق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہوں۔

امام ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:

قريش علم اسم قبيلة وهم بنو النضر بن كنانه. فمن كان من بني النضر فهو من قريش دون بني كنانه۔(۴)

قریش ایک قبیلے کا نام ہے اور وہ نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ پس جو نضر کی

۱۔ شیخ علی خازن، تفسیر خازن، ج ۴، ص ۴۴۱۔

۲۔ شیخ بدر الدین ابن جماعہ، غرر التبیان، ۵۴۹۔

۳۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، ج ۳۲، ص ۱۰۶۔

۴۔ امام ابو حیان اندلسی، البحر المحیط، ج ۸، ص ۵۱۳۔

اولاد ہے تو وہ قریشی ہے نہ کہ بنو کنانہ کے۔

حضرت شیخ محمود آلوسی لکھتے ہیں :

قریش ولد النضر بن کنانه. وهو اصح الاقوال و اثبتها عند القرطبی، قیل و علیه الفقهاء الظاهر ماروی انه علیه الصلوٰة والسلام سئل من قریش فقال من ولد النضر۔(۳)

قریش نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔ یہ صحیح ترین قول ہے اور امام قرطبی کے نزدیک زیادہ مستند ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقہاء کا بھی اس پر اتفاق ہے بوجہ واضح ہونے اس روایت کے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریش کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا نضر بن کنانہ کی اولاد ہے۔

اب تک کی بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نضر بن کنانہ کی اولاد قریشی ہے۔ اس کے ماسوا نضر کے باپ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد قریشی نہیں ہے اور نہ ہی نضر کے دادا خزیمہ کی اولاد قریشی ہے۔ اور ہاشم بن عبد مناف کی اولاد ہاشمی ہے۔ لیکن اس دوران ایک اور قبیلے کا علم بھی ہوا جسے عربی کہا جاتا ہے اور اس کی وضاحت بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ نضر بن کنانہ کی اولاد کے ماسوا تمام عربی ہیں۔ لیکن مزید یقین کے لئے امام ابو عبداللہ الحاکم کا فرمودہ پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :

فلیعلم طالب هذا العلم، ان کل مضری عربی، فان مضر شعبة من العرب (۱)

اس علم کے طالب کو چاہئے کہ وہ اس کو سمجھے کہ ہر مضری عربی ہے اور بے شک مضر، عرب کا شعبہ ہے۔ (قریش کا حصہ نہیں)

امام حاکم بڑے واشگاف الفاظ میں اہل فن سے مخاطب ہیں کہ مضر بن نزار کی اولاد عربی ہے اور صرف عربی ہے۔ قریشی نہیں ہے۔ گویا ہر عربی قریشی نہیں اور ہر قریشی ہاشمی نہیں ہے۔

یہاں پر ہم ایک شبہ کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علماء انساب میں قریش کے جد اعلیٰ کے سلسلے میں معمولی سا اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ قصی بن کلاب کی اولاد کو قریشی کہا جاتا

۳۔ شیخ محمود آلوسی، روح المعانی، ج ۳، ص ۲۳۸۔

۱۔ امام ابو عبداللہ الحاکم، معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۶۶۔

ہے۔ لیکن یہ بات کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتی اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیق او. حضرت عمر فاروق کے قریشی ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اہل علم ان کے قریشی ہونے پر متفق اللسان ہیں۔ تو یہ دونوں حضرات گرامی ''مرہ'' اور ''کعب'' کی اولاد میں سے ہیں۔ جو قصی بن کلاب کے دادا اور پر دادا ہیں' تو اس صورت میں حضرات شیخین کا غیر قریشی ہونا لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔ اس لئے اس قول کی کوئی حیثیت نہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قریش ''فہر'' کی اولاد ہیں اور بعض کا قول ہے کہ مالک کی اولاد ہیں مگر یہ سب قول مرجوح ہیں۔ اکثر اور محقق اہل علم کا قول نضر بن کنانہ کے بارے میں ہے۔ امام ابو الفداء لکھتے ہیں :

الذی علیه الاکثرون انه نضر بن کنانه ۔(۱)

جس پر اکثریت ہے وہ یہ کہ قریش کے جد اعلیٰ نضر بن کنانہ ہیں۔

اور پھر خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا ارشاد گرامی موجود ہے کہ قریش' نضر کی اولاد ہیں۔ امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں دوسرے قول نقل کئے مگر آخر میں ''والاول اظہر'' کہہ کہ نضر بن کنانہ والے قول کو ترجیح دی ہے۔

بنو اسد بن خزیمہ :

قریش' اور پھر عرب کی وضاحت کرنے کے بعد اب ہم عرب کے ایک دوسرے قبیلے ''بنو اسد بن خزیمہ'' پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ امید ہے جب اس پر گفتگو اپنے اختتام کو پہنچے گی تو ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے قبیلے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا' ان کا ہاشمی یا غیر ہاشمی ہونا مہر نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے گا۔

بنو اسد بن خزیمہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اور مدینہ کے گرد و نواح میں بھی اس کی بڑی تعداد آباد تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد اور قرآن حکیم کے نزول کے زمانے میں یہ لوگ موجود تھے۔ اس سلسلہ میں مفسرین علماء کرام نے وضاحتیں کی ہیں۔ چنانچہ ''قالت الاعراب'' کی تفسیر میں شیخ جار اللہ زمخشری لکھتے ہیں :

عن ابن عباس رضی الله عنهما' ان نفر من بنی اسد قدموا المدینة فی سنة جدبة۔(۲)

۱۔ امام ابو الفداء اسمٰعیل' السیرۃ النبویۃ' ج ۱' ص ۸۴۔

۲۔ شیخ جار اللہ زمخشری' کشاف' ج ۴' ص ۳۷۷۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بنو اسد کا ایک گروہ مدینہ آیا۔ خشک سالی کے سال۔

حضرت شیخ علی خازن لکھتے ہیں:

نزلت فی بنی اسد بن خزیمه قدموا علیٰ رسول الله صلی الله علیه وسلم فی سنة جدبة فاظهروا الاسلام ولم یکونوا مؤمنین بالسر۔(۱)

بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ خشک سالی کے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور اسلام کی قبولیت کا اظہار کیا۔ حالانکہ اندرونِ خانہ وہ مسلمان نہ تھے۔

حضرت شیخ ابو حیان اندلسی لکھتے ہیں:

قال مجاهد نزلت فی بنی اسد بن خزیمه قبیله تجاور المدینة، اظهروا الاسلام و قلوبهم دغلة، انما یحبون المغانم و عرض الدنیا۔(۲)

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایک قبیلہ ہے جو مدینہ کے نواح میں آباد ہے۔ اس نے اسلام کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان کے دلوں میں کینہ تھا۔ وہ مال غنیمت اور دنیاوی عزت کو پسند کرتے تھے۔

شیخ بدر الدین ابن جماعہ لکھتے ہیں:

هم قوم من بنی اسد، قدموا المدینة فی سنة جدبة بالعیال والاثقال، و اظهروا الاسلام ولم یکونوا کذالك۔(۳)

وہ بنو اسد کی ایک قوم ہے۔ خشک سالی کے سال اہل و عیال اور سامان

۱۔ شیخ علی خازن، تفسیر خازن، ج ۴، ص ۱۸۵۔

۲۔ شیخ ابو حیان اندلسی، البحر المحیط، ج ۸، ص ۱۱۶۔

۳۔ شیخ بدر الدین ابن جماعہ، غرر التبیان، ص ۴۸۷۔

سمیت مدینہ آگئے اور اسلام کا اظہار کیا۔ حالانکہ وہ ایسے نہ تھے۔

امام ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں:

نزلت فی اعراب من بنی اسد بن خزیمہ، قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سنۃ جدبۃ۔(۱)

بنو اسد بن خزیمہ کے اعرابیوں کے بارے نازل ہوئی وہ خشک سالی کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

حضرت شیخ محمود آلوسی لکھتے ہیں:

نزلت فی بنی اسد بن خزیمہ قبیلۃ تجاور المدینۃ۔(۲)

بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایک قبیلہ ہے جو مدینہ کے نواح میں آباد تھا۔

ان جلیل القدر مفسرین کرام نے "بنو اسد بن خزیمہ" کے وجود کو نزول قرآن کے وقت تسلیم کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا مگر باطن اپنی سابقہ روش پر قائم تھے۔ اس کے برعکس قریش کی صورت حال واضح تھی۔

اب ہم "بنو اسد بن خزیمہ" کے بارے میں تفتیش و تحقیق کرتے ہیں کہ یہ کون تھے۔ ان کا پس منظر اور پیش منظر کیا تھا۔ یہ کس کی نسل سے ہیں اور ان کی نسل سے کون ہے۔ چنانچہ علماء انساب نے خزیمہ بن مدرکہ کی اولاد کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے تین بیٹے تھے۔ اسد، کنانہ، ہون، اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے شیخ ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

اما اسد، فھو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر، ولہ اخوان، کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ والھون بن خزیمہ بن مدرکہ۔(۳)

بہر حال اسد، تو وہ اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہیں اور ان کے دو بھائی ہیں۔ کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ اور ہون بن خزیمہ بن مدرکہ۔

۱۔ امام ابو عبداللہ القرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ج ۸، ص ۳۴۸۔

۲۔ شیخ محمود آلوسی، روح المعانی، ج ، ص ۱۶۷۔

۳۔ شیخ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۳۰۔

شیخ عبدالکریم سمعانی لکھتے ہیں:

اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر و ھو اخو کنانہ بن خزیمہ۔(۱)

اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر اور وہ کنانہ بن خزیمہ کے بھائی ہیں۔

شیخ ابو العباس احمد قلقشندی لکھتے ہیں:

بنو اسد حی من بنی خزیمہ من العدنانیۃ وھم بنو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ۔(۲)

بنو اسد۔ بنو خزیمہ جو کہ عدنانی ہیں سے ہیں اور وہ بنو اسد بن خزیمہ بن مدرکہ ہیں۔

شیخ محمد امین السویدی لکھتے ہیں:

خزیمہ تصغیر خزمہ ویکنی ابا اسد۔(۳)

خزیمہ۔ خزمہ کی تصغیر ہیں اور ابو اسد ان کی کنیت ہے۔

علماء انساب کی ان تحریروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خزیمہ کے بڑے بیٹے اسد تھے۔ اسی لئے ان کی کنیت ابو اسد تھی اور اسد کنانہ کے بھائی تھے اور یہ کنانہ وہی ہیں جن کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ان اللہ اصطفی بنی کنانہ۔ خزیمہ کے یہ دونوں بیٹے اسد اور کنانہ صاحب اولاد تھے۔ کنانہ کی اولاد "بنو کنانہ" کے نام سے معروف ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان ہی کی اولاد سے ہیں اور اسد کی اولاد "بنو اسد" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور یہی "بنو اسد بن خزیمہ" ہیں جو قرآن حکیم کے نزول کے وقت مدینہ کے گردونواح میں آباد تھے۔

ان عبارات سے جہاں بنو اسد کا تعارف ہوا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ بنو اسد کا سلسلہ نسب خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر پر جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے۔ گویا نضر بن کنانہ اور بنو اسد کا اتصال خزیمہ بن مدرکہ پر ہے۔ اور خزیمہ مضری ہیں۔ لیکن بات یہاں ختم نہیں

۱۔ شیخ عبدالکریم سمعانی، 'الانساب'، ج ۱، ص ۱۳۹۔

۲۔ شیخ ابو العباس قلقشندی، 'نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب'، ص ۳۹۔

۳۔ شیخ محمد امین السویدی، 'سبائک الذہب'، ص ۲۳۔

ہوئی' ابھی تو بنو اسد کا پس منظر واضح ہوا ہے۔ پیش منظر ابھی باقی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ پھر اسد بن خزیمہ کے بیٹوں کی اولاد کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی شاخوں پر مشتمل ہے اور علماء لسان کے ہاں قبیلہ کی شاخوں کو عمارہ اور بطن کے نام دیئے جاتے ہیں تاہم شیخ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :

فولد اسد' دودان بن اسد' و کاھل بن اسد' و عمرو بن اسد' و حملہ بن اسد' فھولاء بنو اسد بن خزیمہ۔(۱)

اسد کے بیٹے یہ ہیں۔ دودان بن اسد' کاہل بن اسد' عمرو بن اسد اور حملہ بن اسد۔ تو یہ تمام بنو اسد بن خزیمہ ہیں۔

امام ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں :

ولد اسد بن خزیمہ' دودان' و کاھل و عمرو' و صعب' و حملہ و ھم اھل ابیات فی بنی خزیمہ۔(۲)

اسد بن خزیمہ کے بیٹے یہ ہیں۔ دودان' کاہل' عمرو' صعب' حملہ اور بنو خزیمہ کے یہ تمام اہل بیت ہیں۔

امام ابن حزم نے چار کے بجائے پانچ بیٹوں کا نام لیا ہے مگر بات وہی کی ہے جو ابن قتیبہ کر چکے ہیں کہ اسد کے تمام بیٹے صاحب اولاد تھے اور خود کو بنو اسد کہلواتے تھے۔

(ہماری بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ سلسلہ کلام جاری ہے)۔ "بنو اسد بن خزیمہ" کے تعارف کا سلسلہ ابھی باقی ہے لیکن یہاں ہم ام المؤمنین کے بارے میں ایک وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

ام المؤمنین اور بنو اسد :

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش' امیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی ہیں۔ ان کے بھائی "سابقون الاولون" میں سے ہیں۔ ایک بھائی عبد اللہ بن جحش غزوہ احد میں شہید ہوئے اور حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن ہوئے۔ دوسرے بھائی عبید اللہ بن جحش تھے' انہوں نے حبشہ کو ہجرت کی' وہاں عیسائی مذہب اختیار کر لیا' وہیں ان کا انتقال ہوا۔

۱۔ شیخ ابن قتیبہ' المعارف' ۳۰۔

۲۔ امام ابن حزم اندلسی' جمہرۃ انساب العرب' ص ۱۸۰۔

ان کی اہلیہ ام حبیبہ ' ام المؤمنین ہوئیں ' ایک اور بھائی ابو احمد تھے اور ایک بہن بھی تھیں جن کا نام حمنہ بنت جحش ہے جن کے شوہر غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ ام حبیب کے نام سے ایک دوسری ہمشیرہ بھی تھیں۔ یہ وضاحت میں نے اس لئے کی کہ آئندہ ان حضرات کا ذکر آرہا ہے۔ اس وقت یہ تفصیل ذہن میں رہے ' اور پھر یہ بات طے ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بن جحش اگر نضر بن کنانہ کی اولاد میں سے ہیں تو ان کے قریشیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر وہ ہاشم بن عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں تو ان کے ہاشمیہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ نضر کی اولاد سے نہیں تو وہ قریشیہ نہیں ہو سکتیں اور اگر وہ ہاشم کی اولاد میں سے نہیں تو وہ ہاشمیہ نہیں ہو سکتیں۔

اب ہم پھر "بنو اسد بن خزیمہ" کے مزید تعارف کی طرف آتے ہیں۔ امام ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں :

> وولد دودان بن اسد ' و فیھم البیت والعدد ' ثعلبۃ و غنم ' فولد غنم بن دودان ' کبیر ' و عامر و مالك ' منھم عبداللّٰہ ' وابو احمد ' و عبید اللّٰہ ' بنو جحش ' و اختھم ام المؤمنین زینب بنت جحش و حمنہ بنت جحش۔(۱)

> دودان بن اسد کے بیٹوں میں صاحب بیت یعنی صاحب اولاد بھی تھے۔ اور تنہا بھی۔ غنم بن دودان کے بیٹے کبیر اور عامر اور مالک تھے۔ ان ہی میں عبداللہ ' ابو احمد ' عبیداللہ یہ بنو جحش ہیں۔ ان کی ہمشیر ام المؤمنین زینب بنت جحش اور حمنہ بنت جحش ہیں۔

شیخ ابو العباس قلقشندی لکھتے ہیں :

> بنو غنم بن دودان بن اسد...... منھم عکاشہ (۲) بن محصن صاحب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و زینب بنت جحش

۱۔ امام ابن حزم اندلسی ' جمہرۃ انساب العرب ' ص ۱۸۰۔

۲۔ حضرت عکاشہ کے بارے میں امام ابو عمر لکھتے ہیں : عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان ' کتاب الطبقات ' ص ۳۰۵۔

زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(۴۰)

بنو غنم بن دودان بن اسد..... ان ہی سے عکاشہ بن محض صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور زینب بنت جحش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ ہیں۔

شیخ محمد امین السویدی لکھتے ہیں :

غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ. فبنوغنم بطن من اسد بن خزیمہ. منهم زینب بنت جحش زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(۲)

غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔ بنو غنم۔ اسد بن خزیمہ کی شاخ ہیں۔ ان ہی میں سے زینب بنت جحش، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں۔

ابو العباس المبرد لکھتے ہیں :

بنو غنم بن دودان بن اسد، رهط زینب بنت جحش زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔(۳)

بنو غنم بن دودان بن اسد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت زینب بنت جحش کا قبیلہ ہے۔

قارئین کرام! بات واضح ہو گئی۔ حقیقت آشکارا ہو چکی کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش بنو غنم سے ہیں اور بنو غنم، بنو اسد بن خزیمہ کی شاخ ہے اور بنو اسد، خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے ہیں، تو گویا ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش، مضریہ ہیں اور مضر کی اولاد عربی ہے، تو اب ام المؤمنین کا قبیلہ واضح ہو گیا اور یہ بات طے ہو گئی کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش سرے سے قریشیہ ہی نہیں، ہاشمیہ تو بہت دور کی بات ہے۔ لیکن ہم اس بات کو یہیں ختم نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس پر ہم مزید شواہد پیش کرتے ہیں، تا کہ اس مسئلہ میں کوئی ابہام باقی نہ رہ جائے۔

محمد بن سعد کاتب واقدی لکھتے ہیں :

۱۔ شیخ ابو العباس قلقشندی، نہایۃ الارب، ص ۳۵۷۔

۲۔ شیخ محمد امین السویدی، سبائک الذہب، ص ۶۰۔

۳۔ ابو العباس المبرد، نسب عدنان وقحطان، ص ۶۔

زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر

بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۱)

امام ابو عبد اللہ الحاکم لکھتے ہیں :

زینب بنت جحش بن رباب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر

بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۲)

شیخ ابو عمر یوسف القرطبی لکھتے ہیں :

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر

بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۳)

امام ابو الفداء اسمٰعیل ابن کثیر لکھتے ہیں۔

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن

غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدیہ ام المؤمنین۔(۴)

شیخ احمد البلاذری لکھتے ہیں :

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن سبرہ بن مرہ بن کثیر

بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۵)

امام ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں :

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر

بن غنم بن دوداد۔(۶)

شیخ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، ص

۲۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، ج ۴، ص ۲۳۔

۳۔ شیخ ابو عمر یوسف القرطبی، الاستیعاب، ج ۴، ص ۳۱۴۔

۴۔ امام ابو الفداء ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۲۷۷۔

۵۔ شیخ احمد البلاذری، انساب الاشراف، ص ۴۳۳۔

۶۔ امام ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۸۰۔

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش الاسدیہ من بنی غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۱)

امام ابو عمرو العصفری لکھتے ہیں:

زینب بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۲)

امام بیہقی لکھتے ہیں:

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش بن رئاب من بنی اسد بن خزیمہ۔(۳)

امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

زینب بنت جحش بن باب بن یعمر الاسدیہ ام المؤمنین۔(۴)

شیخ ابو الحسن الجزری لکھتے ہیں:

زینب بنت جحش زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اخت عبداللہ بن جحش وھی اسدیة من اسد بن خزیمہ۔(۵)

میں سمجھتا ہوں اب یہ حقیقت مزید واضح ہو گئی ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش بنو غنم سے اور وہ بنو اسد سے ہیں۔ تو ام المؤمنین اسدیہ، مضریہ ہوئیں۔ ان کو قریشیہ یا ہاشمیہ کہنا حقائق کا انکار کرنا ہے۔

نوٹ: یہ تفصیلات جو ہم نے پیش کی ہیں ان میں بعض ناموں میں اختلاف ہے۔ مثلاً بعض اہل علم رئاب کو رباب لکھتے ہیں، اس طرح بعض کبیر اور کثیر کا اختلاف کرتے ہیں۔ صبرہ کو بلاذری نے سبرہ لکھا ہے۔

۱۔ شیخ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۵۹۔

۲۔ امام ابو عمرو العصفری، کتاب الطبقات، ص ۳۵۔

۳۔ امام ابو بکر احمد بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۷۲۔

۴۔ امام ابن حجر عسقلانی، تقریب التہذیب، ص ۴۶۸۔

۵۔ شیخ ابو الحسن الجزری المعروف بابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۵، ص ۴۶۳۔

ام المؤمنین کا خاندان :

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کے خاندان کے دوسرے افراد بھی شرف صحابیت میں شامل تھے۔ اس لئے جہاں ان کا ذکر آیا تو علماء انساب نے ان کے نسب کا بھی ذکر کیا۔ اب ہم ایسے ہی حضرات کے بارے میں تفصیل پیش کرتے ہیں تاکہ ام المؤمنین حضرت زینب کا نسب روز روشن کی طرح روشن ہو جائے اور ارباب صدق کو قبول حق میں آسانی ہو۔ حضرت ابن ہشام اپنی کتاب سیرت میں ام المؤمنین کے بھائی حضرت عبداللہ بن جحش کے بارے میں لکھتے ہیں :

عبداللہ بن جحش بن رئاب ابن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان۔(۱)

شیخ ابو عمر یوسف القرطبی لکھتے ہیں :

عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۲)

شیخ شمس الدین شافعی لکھتے ہیں :

عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ الاسدی۔(۳)

تیسری صدی ہجری کے مشہور محدث امام ابو عمرو العصفری آپ کے بیٹے کے بارے میں لکھتے ہیں :

محمد بن عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۴)

محمد بن سعد کاتب واقدی ام المؤمنین کی بہن حضرت حمنہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

حمنہ بنت جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرہ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔(۵)

۱۔ ابن ہشام 'سیرت ابن ہشام' ج ۱' ص ۳۶۴۔

۲۔ شیخ ابو عمر یوسف القرطبی 'الاستیعاب علی حاشیۃ الاصابہ' ج ۲' ص ۲۷۲۔

۳۔ شیخ ابو المحاسن شمس الدین شافعی' الاکمال' ص ۲۳۱۔

۴۔ امام ابو عمرو العصفری' کتاب الطبقات' ص ۳۵۔

۵۔ محمد بن سعد' الطبقات الکبریٰ' ج ۳' ص ۲۱۔

امام ابو عمرو العصفری لکھتے ہیں :

حمنه بنت جحش بن رئاب بن يعمر بن صبره بن مره بن كبير بن غنم بن دودان بن اسد بن خزيمه۔(۱)

امام ابن حزم لکھتے ہیں :

حمنه بنت جحش بن رئاب بن يعمر بن صبره بن مره بن كبير بن غنم بن دودان۔(۲)

حضرت محمد بن سعد، ام حبیبہ المؤمنین حضرت ام حبیبہ کے بارے میں لکھتے ہیں :

ام حبيبه اسمها رمله بنت ابى سفيان...... تزوجها عبيدالله بن جحش بن رياب بن يعمر بن صبره بن مره بن كبير بن غنم بن دودان بن اسد بن خزيمه۔(۳)

امام بیہقی لکھتے ہیں :

تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم ام حبيبه بنت ابى سفيان...... و كانت قبله تحت عبيدالله بن جحش بن رئاب من بنى اسد بن خزيمه۔(۴)

قارئین کرام! راقم الحروف نے متعدد اور معتبر اہل علم کے حوالوں سے ام المؤمنین حضرت زینب اور ان کے عزیزداروں کا نسب بیان کر دیا ہے۔ سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ نسب کو بیان کیا۔ اس کے بعد "بنو اسد بن خزیمہ" کی وضاحت کی اور ام المؤمنین کے سلسلہ نسب کو بڑے واضح طور پر بیان کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہاشمیہ تو در کنار قریشیہ بھی نہیں ہیں بلکہ بنو اسد سے تعلق کی وجہ سے علماء انساب نے انہیں "الاسدیہ" لکھا ہے۔ اب بھی اگر کسی صاحب کو یہ اصرار ہو کہ ہاں ہاں وہ نسبی لحاظ سے ہاشمیہ ہی ہیں تو ان کیلئے دعائے خیر ہی کی جا سکتی ہے۔

۱۔ امام ابو عمرو العصفری، کتاب الطبقات، ص ۳۳۲۔

۲۔ امام ابن حزم اندلسی، جمہرۃ انساب العرب، ص ۱۸۰۔

۳۔ محمد بن سعد کاتب، الطبقات الکبریٰ، ج ۸، ص ۷۱۔

۴۔ امام ابو بکر احمد بیہقی، السنن الکبریٰ، ج ۷، ص ۷۱۔

ایک شبہ کا ازالہ :

اسدی ہونے میں عرب کے کئی قبائل آپس میں ہم نسبت ہیں' تو ہو سکتا ہے کہ کسی کو شبہ ہو کہ ام المؤمنین حضرت زینب اسدیہ ہونے کے باوجود قریشیہ ہو سکتی ہیں کیونکہ حضرت زبیر بن العوام بھی اسدی ہونے کے باوجود قریشی ہیں۔ اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس شبہ کو بھی دور کر دیا جائے۔ چنانچہ شیخ عبدالکریم سمعانی نے الانساب میں اسی نسبت سے جن قبیلوں کا ذکر کیا ہے ان میں خاص طور پر "اسد قریش" اور "اسد بن خزیمہ" کا ذکر کیا ہے۔ وہ الاسدی کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :

هو اسم عدة من القبائل، منهم اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مره بن کعب بن لوئی بن غالب من قریش. والی اسد بن خزیمه بن مدرکه بن الیاس بن مضر۔(۱)

یعنی ایک اسدی تو وہ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جد امجد قصی کے ایک پوتے "اسد" کی وجہ سے اسدی ہیں۔ یہ اسدی قریشی ہیں۔ ان میں ام المؤمنین حضرت خدیجہ' حضرت زبیر ابن العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی' عباس بن عبداللہ بن عثمان بن حمید الاسدی القریشی اور ورقہ بن نوفل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اور وہ اسدی جو اسد بن خزیمہ کی وجہ سے ہیں ان حضرات میں حضرت عکاشہ بن محصن الاسدی' معقل بن ابی معقل' مخرمہ بن سلیمان ہیں۔ شیخ عبداللہ عمر البارودی نے الانساب کے حاشیہ میں جن مزید لوگوں کا شمار کیا ہے ان میں عبداللہ بن جحش' حضرت زینب بنت جحش' وابصہ بن معبد' اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن زویب' مسور بن یزید' بسر بن معاذ بھی شامل ہیں اور اسی اسدی میں وہ "طلیحہ اسدی" بھی ہیں جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضرت ابو بکر صدیق بنفس نفیس اس سے جہاد کیلئے گئے تھے۔ بعد میں توبہ کر لی تھی۔ امام ابو عبداللہ الحاکم نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اسمٰعیل بن عبدالرحمن بن ذویب الاسدی من بنی اسد بن خزیمه ابو الاسود محمد بن عبدالرحمن الاسدی من بنی

۱۔ عبدالکریم سمعانی' الانساب' ج ۱' ص ۱۳۸۔

اسد بن عبدالعزی بن قصی۔(۱)

یعنی اسمٰعیل بھی اسدی ہیں اور ابو الاسود بھی مگر اسمٰعیل اسد بن خزیمہ کی نسبت سے اسدی ہیں اور ابو الاسود' اسد بن عبدالعزی بن قصی کی نسبت سے اسدی ہیں۔ امام حاکم نے اسدی ہونے کی وجہ سے جو شبہ پیدا ہو رہا تھا اس کو دور کر دیا' تو اب حضرت زینب بنت جحش کی اسدی ہونے اور حضرت زبیر بن العوام کے اسدی ہونے کی وجہ سے جو شبہ تھا وہ دور ہو جانا چاہئے۔ اسدی قریشی کے نسب پر زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ "جمھرۃ نسب قریش واخبارھا" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے' جو اس موضوع پر قابل دید ہے۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب :

اب ہم یہاں پر حضرت زید بن حارثہ کا نسب بیان کرتے ہیں تاکہ نزاع کا باعث احسن طریقہ سے رفع ہو سکے۔ حضرت امام نووی لکھتے ہیں :

> ابو اسامہ زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امریٔ القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبداللہ بن عوف بن کنانہ ابن بکر ابن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن کلب بن وبرہ بن الحاف بن قضاعہ' الکلبی نسباً القریشی الھاشمی بالولاء الحجازی (۲) رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

امام نووی نے حضرت زید بن حارثہ کا نسب قضاعہ تک بیان کر دیا ہے اور قضاعہ کا نام نسب کی دنیا میں معروف ہے۔ کسی کے نسب کا ان تک پہنچ جانا دلیل کے لئے کافی ہے مگر ہم اسے مزید آگے بڑھاتے ہیں تاکہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔ چنانچہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں :

> قضاعة بن مالك بن حمير بن سبا بن يشمب بن يعرب بن قحطان۔(۳)

۱۔ امام ابو عبداللہ الحاکم' معرفۃ علوم الحدیث' ص ۱۶۶۔

۲۔ امام نووی' تہذیب الاسماء واللغات جز سوم' ص ۲۶۱۔

۳۔ ابن قتیبہ' المعارف' ص ۶۲۔

امام نووی نے بھی آپ کو "الکلبی نسبا" لکھا اور ابن قتیبہ نے بھی "هو زید بن حارثه بن شراحیل من کلب" (۱) لکھ کر یہ بات واضح کر دی کہ وہ کلب بن وبرہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے کلبی ہوئے۔
اور ابن قتیبہ نے یہ بھی لکھا:

"ومن قبائل قضاعه کلب بن وبره" (۲)

یعنی حضرت زید بنو کلب سے اور وہ بنو قضاعہ اور وہ بنو قحطان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے کلبی، قضاعی اور قحطانی ہوئے۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ قحطان کے نسب کے بارے میں علماء انساب کے ہاں اختلاف ہے مگر امام العباس المبرد لکھتے ہیں:

نسب ابن الکلبی قحطان الی اسمعیل علیه السلام فقال قحطان بن الهمیسع بن تیمن بن نبت بن اسمعیل بن ابراهیم صلوات الله علیه۔

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت زینب مضریہ ہیں اور مضری عربی ہیں۔ اب حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ بھی عربی ہیں اور دونوں فریق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں گویا نسبی لحاظ سے دونوں برابر ہیں اور دونوں اولاد اسمٰعیل ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے:

العرب بعضهم اکفاء لبعض

یعنی عرب ایک دوسرے کا کفو ہیں تو اس قاعدہ کے لحاظ سے حضرت زینب بنت جحش کو حضرت زید بن حارثہ کا غیر کفو قرار دینا درست نہیں۔

پھر حضرت زید بن حارثہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آزاد کر دیا تھا۔ جب ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا تو اس وقت وہ آزاد تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مولیٰ تھے اور حضرت زینب بنت جحش کے والد جحش کے حلیف تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ

۱۔ ابن قتیبہ، المعارف، ص ۸۵۔
۲۔ شیخ ابن قتیبہ، ص ۶۳۔

حضرت زید حر یعنی آزاد تھے اور حضرت زینب بھی حرہ تھیں۔ حضرت زید کی وَلاء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھی اور قریش و بنو ہاشم میں انہیں عزت حاصل تھی اور حضرت زینب کے والد جحش قریش کے حلیف تھے۔ یعنی دونوں کو قریش سے نسبت تھی۔ اس لئے اس حوالے سے حضرت زینب کو حضرت زید کا غیر کفو قرار دینا بھی درست نہیں۔

تین غلطیاں :

مولانا سعیدی کی وہ مختصر عبارت جو ہم نے اس بحث کے آغاز میں ذکر کی تھی، مولانا سعیدی نے اس میں تین غلطیاں کی ہیں :

۱۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش کو ہاشمی قرار دیا، جس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

۲۔ حضرت زید بن حارثہ کو غلام قرار دیا،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ کو آزاد کرنے کے بعد ان کا نکاح حضرت ام ایمن سے کر دیا تھا جس سے ان کے فرزند حضرت اُسامہ پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضرت زینب سے کیا، جب حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے ہوا تو اس وقت وہ آزاد تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے مولیٰ تھے۔ مولانا سعیدی کو غالباً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فیصلہ قبول نہیں۔ اسی لئے وہ ابھی تک حضرت زید بن حارثہ کو غلام لکھ رہے ہیں۔

۳۔ مولانا سعیدی نے حضرت زید اور حضرت زینب کے نکاح کو غیر کفو میں قرار دے کر لکھا ہے کہ "کفو کی بڑائی کے بتوں کو توڑنے کی ابتداء اپنے خاندان سے کی۔"

مولانا سعیدی بھی کیا خوب آدمی ہیں کہ وہ کفو جو کئی احادیث سے صراحتاً ثابت ہے، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فیصلے اس کے بارے میں موجود ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور امام احمد حنبل اور دیگر بے شمار اہل علم کا اس پر اتفاق ہے۔ اس کفو کی عظمت کو بت سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ دین کو بے دینی قرار دے کر اپنے محقق ہونے کا نقارہ بجا رہے ہیں۔

ہم مولانا سعیدی کی بات بر تقدیر تسلیم کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہوا تھا گزارش کرتے ہیں۔

کہ جب اس نکاح کے ہونے سے کفو کی بڑائی کے بت ٹوٹے تو اس کی ناکامی پر کفو کی بڑائی کے بت کا کیا ہوا؟ تو کیا وہ پھر درست ہو گیا۔ چلیں بر تقدیر تسلیم وہ ٹوٹا ہی رہا تو اب اسے ریزہ ریزہ کرنے کے لئے حضرت زینب کا نکاح بنو باہلہ کے کسی غلام سے ہونا چاہئے تھا تا کہ انسانیت کا پرچم مزید بلند ہوتا لیکن ایسا نہ ہوا بلکہ وہ روئے زمین کی بہترین شخصیت کی زوجہ ہو کر "ام المؤمنین" کے لقب سے مشرف ہوئیں۔ اب اس "کفو کی بڑائی کے بت" کا کیا ہوا۔ خیر اس بات کو چھوڑیئے مگر:

"کفو کی بڑائی کے بتوں کے توڑنے کی ابتدا اپنے خاندان سے کی۔"

لکھنے والے مولانا غلام رسول سعیدی نے اسی کتاب میں اور اسی بحث میں یہ بھی لکھا ہے:

> تاہم انسب اور اولیٰ یہی ہے کہ نکاح میں کفو کا اعتبار کیا جائے تا کہ خاندان کے اتحاد اور مخصوص عادات' ماحول اور مزاج کی یکسانیت کی وجہ سے زوجیت میں رفاقت رہے۔(۱)

بت شکنی کے بعد بت گری انسب و اولیٰ کے مقام رفیع تک جا پہنچی۔ ہم تو کچھ نہیں کہتے مگر

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

مصادر و مراجع

۱	تفسیر خازن	شیخ علی خازن	دار العروبۃ الکبریٰ مصر
۲	تفسیر کشاف	شیخ جار اللہ زمخشری	بیروت' لبنان
۳	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی	تہران' ایران
۴	تفسیر البحر المحیط	شیخ ابو حیان اندلسی	دار الفکر' بیروت' ۱۴۰۳ھ
۵	تفسیر الجامع لاحکام القرآن	شیخ ابو عبد اللہ قرطبی	ناصر خسرو' تہران
۶	تفسیر روح المعانی	شیخ محمود آلوسی	مکتبہ رشیدیہ' لاہور
۷	غرر التبیان	شیخ بدر الدین ابن جماعہ	دار قتیبہ' بیروت
۸	سنن الکبریٰ	حضرت ابو بکر احمد البیہقی	دائرۃ المعارف حیدر آباد' ہند
۹	معرفۃ علوم الحدیث	امام ابو عبد اللہ الحاکم	دار الکتب مصریہ قاہرہ
۱۰	شرح صحیح مسلم	مولانا غلام رسول سعیدی	فرید بک اسٹال' لاہور

۱۔ شرح مسلم شریف' ج ۳' ص ۹۸۰۔

۱۱	سیرت ابن ہشام	شیخ ابن ہشام	القاہرہ، مصر
۱۲	السیرۃ النبویہ	شیخ اسمٰعیل بن کثیر	القاہرہ، مصر ۱۳۸۴ھ
۱۳	السیر الحلبیہ	شیخ علی حلبی	مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۴۹ھ
۱۴	اسد الغابہ	شیخ ابوالحسن الجزری	مکتبہ اسلامیہ تہران، ایران
۱۵	الاستیعاب	شیخ ابو عمر یوسف القرطبی	تہران، ایران
۱۶	الطبقات الکبریٰ	حضرت محمد بن سعد کاتب	لندن، برطانیہ ۱۳۲۲ھ
۱۷	تقریب التہذیب	امام ابن حجر عسقلانی	نشر کتب الاسلامیہ، لاہور
۱۸	تہذیب الاسماء واللغات	امام نووی	القاہرہ، مصر
۱۹	الاعمال	شیخ شمس الدین شافعی	دراسات الاسلامیہ
۲۰	نبراس	شیخ عبدالعزیز پرہاروی	شاہ عبدالحق اکیڈمی، بندیال سرگودھا
۲۱	فتح القدیر	امام ابن الہمام	مکتبہ نوریہ، سکھر
۲۲	کفایہ علی الہدایہ	شیخ جلال الدین خوارزمی	مکتبہ نوریہ، سکھر
۲۳	فتح باب العنایہ	ملا علی القاری المکی	ایم ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۴	شرح کنز الدقائق	شیخ معین الدین ہروی	ایم ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۵	ردالمحتار	امام ابن عابدین شامی	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ
۲۶	حاشیہ در مختار	سید احمد طحطاوی	مکتبہ ازہر، مصر
۲۷	الکامل	امام ابوالعباس المبرد	المعارف، بیروت
۲۸	لسان العرب	شیخ ابن منظور مصری	قم، ایران ۱۴۰۵ھ
۲۹	الانساب	شیخ عبدالکریم سمعانی	دارالجنان، بیروت لبنان
۳۰	انساب الاشراف	شیخ احمد البلاذری	دارالمعارف، مصر
۳۱	المعارف	شیخ ابن قتیبہ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۳۲	نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب	شیخ ابوالعباس قلقشندی	مطبع نجاح بغداد، ۱۳۷۸ھ
۳۳	جمہرۃ انساب العرب	امام ابن حزم اندلسی	دارالمعارف، مصر۔
۳۴	نسب عدنان و قحطان	ابوالعباس المبرد	لجنۃ التالیف، علیگڑھ ہند ۱۳۵۴ھ
۳۵	کتاب الطبقات	شیخ ابو عمرو العصفری	جامعہ بغداد عراق، ۱۳۸۷ھ
۳۶	سبائک الذہب	شیخ محمد امین السویدی	مطبع محمدی بمبئی، ہند۔

شرعی علوم کی ترویج میں

کمپیوٹر

کا کردار

تحریر

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

شرعی علوم میں کمپیوٹر سے کیا کیا کام لئے جاسکتے ہیں

اور

اب تک کمپیوٹر پر کون کون سی اسلامی کتابیں محفوظ کی جاچکی ہیں۔

پندرہ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے مفت حاصل کیجیے

مراکزِ فقہ و فتاویٰ سے......

دید شنید

ارضِ وطن کے مراکزِ فقہ و فتاویٰ میں شعبان المعظم کا مہینہ موسم بہار کا مہینہ رہا کہ اس میں بڑے بڑے اداروں نے فارغ التحصیل طلبہ کو عطائے اسناد و دستار بندی کے حوالہ سے جلسہ ہائے تقسیم اسناد کا انعقاد کیا۔ راقم کو کراچی کے دو اہم دینی اداروں و مراکزِ فقہ و افتاء کے دو جلسوں میں شرکت کا موقع ملا۔ اس موقع پر علماء کرام کے خطاباتِ دلپذیر سننے اور اپنی پرانی یادداشتوں کا زنگ دور کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ روح پرور مناظر دیکھنے میں آئے۔

مقرر علماء نے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کو ہدایات و پند و نصائح سے سرفراز فرمایا اور "تاریخی خطابات" سے شرکاء کی معلومات میں اضافہ کیا۔ یہ جلسے جو خالص علمی جلسے ہوتے ہیں اور جن میں شرکاء بذریعہ کارڈ و دعوت نامہ بلائے جاتے ہیں اور جن کے مقررین کا انتخاب بڑی سوچ بچار کے بعد کیا جاتا ہے، عام جلسوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔ ان میں تقریر یا گفتگو ہر کہہ و مہہ کا کام نہیں بلکہ دانشورانِ قوم، مفتیانِ کرام، بزرگانِ دین اور فقہاءِ عصر ہی کو ان اجتماعاتِ خاص سے خطاب کرنے کی زحمت دی جاتی ہے اور پھر ان کی گفتگو بڑی جچی تلی، محققانہ، عالمانہ "معلوماتی" اور فاضلانہ ہوتی ہے۔ جس سے سامعین و شرکاء کی معلومات ہی نہیں علم میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا دو جلسوں میں سے ایک میں ایک نہایت محققانہ تقریر اسلامی نظریاتی کونسل کے نو متعین رکن حضرت علامہ...... مفتی...... پروفیسر...... منیب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی تھی اس تقریر سے ہمارے علم میں (اور یقیناً سامعین کے علم میں بھی) یہ اضافہ ہوا کہ قرآن کریم کا سب سے پہلا ترجمہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیا۔ اس سے قبل ہم سمجھتے تھے کہ سب سے پہلا ترجمہ (فارسی میں) غالباً ابوبکر عتیق سور آبادی نے کیا تھا جو ۴۷۰۔۴۸۰ ہجری کے مابین ہوا تھا اور جس کی ایک جلد کراچی کے خانہ فرہنگِ ایران میں ہم نے دیکھی تھی اور اس کے بارے میں ہمیں

بتایا گیا تھا کہ یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل فارسی ترجمہ و تفسیر سلجوقی عہد میں لکھا گیا تھا۔

اس کے علاوہ ہم نے پڑھا تھا کہ ترجمان القرآن کے نام سے السید شریف جرجانی کا فارسی ترجمہ بھی قدیم فارسی تراجم میں سے ایک ہے کہ السید شریف جرجانی کا انتقال ۸۱۶ھ میں ہوا۔ تفسیر حقانی کے مصنف علامہ عبدالحق حقانی نے لکھا ہے کہ یہ ترجمہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہو کر طبع ہو چکا ہے۔

اسی طرح ہم نے یہ سن رکھا تھا کہ ملا حسین واعظ کاشفی (۹۱۰ھ) کی تفسیر حسینی فارسی (ترجمہ و تفسیر) ۸۹۷ھ میں مکمل ہو گئی تھی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے دو سو برس قبل سندھ کے ایک بزرگ عالم مخدوم نوح (مخدوم لطف) متوفی ۹۹۸ھ نے بھی فارسی میں ترجمہ قرآن کیا تھا اور یہ ہندوستان میں متداول تھا۔ یہ ترجمہ ۱۴۰۲ھ میں غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کی تحقیقات و تعلیقات کے ساتھ جدید انداز میں سندھی ادبی بورڈ نے از سر نو شائع کیا اور یہی برصغیر کے اعتبار سے پہلا فارسی ترجمہ بھی ہے۔

مگر اب معلوم ہوا کہ یہ سب محض تاریخی نوشتے ہیں، جبکہ حقیقت وہ ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک نہایت فاضل اور نووارد محقق رکن نے اسٹیج سے بیان کی ہے۔ (آمنا و صدقنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہی مسائل

نماز تراویح : چند توجہ طلب امور

(ڈاکٹر نور احمد شاہتاز)

نماز تراویح ایک ایسی عبادت ہے جو صرف ماہ رمضان المبارک ہی میں ادا کرنا مسنون ہے۔ اور یہ زمانہ رسالت سے آج تک مسلمانوں میں متواتر رائج چلی آتی ہے۔ نماز تراویح کی ترغیب خود نبی کریم ﷺ نے دی ہے آپ نے فرمایا:

"جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے ...." (صحیح مسلم)

شرح صحیح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے دیگر شارحین حدیث نے بھی اس سے مراد نماز تراویح ہی لی ہے۔

تاریخ وابتداء تراویح:

صحیحین کی بعض روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے تراویح پڑھی لیکن مصلحتاً جماعت کے ساتھ پورا مہینہ نہیں پڑھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ آدھی رات کے وقت مسجد تشریف لے گئے اور نماز ادا کی، لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔ صبح لوگوں نے رات کی نماز کا تذکرہ کیا چنانچہ پہلی مرتبہ سے زیادہ لوگ "اگلی رات میں" جمع ہو گئے دوسری رات نبی کریم ﷺ مسجد تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے صبح اس واقعہ کا (دیگر لوگوں سے) ذکر کیا (تو) تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اور چوتھی رات کو اس قدر کثرت سے صحابہ کرام جمع ہوئے کہ مسجد میں جگہ تنگ پڑ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان "لوگوں" کے پاس تشریف نہیں لائے چنانچہ لوگوں

نے نماز، نماز پکارنا شروع کر دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے حتی کہ صبح کی نماز کے وقت تشریف لائے جب صبح کی نماز ہو گئی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد فرمایا:

"گزشتہ رات تمہارا حال مجھ سے مخفی نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ رات کی نماز "تراویح" فرض کر دی جائے گی اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ گے۔" (صحیح مسلم)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کو نماز تراویح باجماعت پسند تھی مگر اس خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے فرض قرار نہ دے دیں آپ نے تسلسل کے ساتھ مسجد میں باجماعت یہ نماز ادا نہیں فرمائی۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں الگ الگ بغیر جماعت نماز تراویح کا سلسلہ رہا۔ تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز مسلمانوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں مسجد میں نماز تراویح باجماعت کے لئے جمع فرمایا۔ پس اسی روز سے رمضان کے پورے ماہ میں باجماعت نماز تراویح بیس رکعت ادا کرنے کا رواج ہوا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر حسنہ (اچھی بات) ہے۔ (کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۴۰۷/۴۰۸)

نماز تراویح میں قرأت و تلاوت کا مسئلہ:

نماز تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تاکہ ماہ رمضان میں نماز تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم تلاوت کیا جائے، چنانچہ آپ کی قائم کردہ اس سنت پر دنیا بھر کے مسلمان آج بھی عمل پیرا ہیں۔

البتہ آج جس طرح سے ہم نماز تراویح میں ختم قرآن کرتے ہیں اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور میں ہوتے تو ہمارا یہ انداز تلاوت و سماعت قرآن دیکھ کر یا تو اس کی اصلاح کی خاطر بعض ائمہ تراویح اور منتظمین کو کوڑے لگواتے یا اس سلسلے کو سرے سے موقوف فرما دیتے کیونکہ نماز تراویح میں جس تیز رفتاری سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے وہ نماز تراویح یعنی قیام رمضان کی اصل روح کے سراسر منافی ہے۔ نماز تراویح یا قیام رمضان کا مقصد تو یہ تھا کہ عام مہینوں کی بہ نسبت اس ماہ میں زیادہ دیر تک راتوں کو عبادت کی جائے اور قرآن کریم زیادہ اہتمام

کے ساتھ کثرت سے تلاوت و سماعت کیا جائے لیکن بد قسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرے میں نماز تراویح میں ختم قرآن اب ایک رسم سے زیادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے حافظ یا امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا پسند کرتے ہیں جو انہیں جلد از جلد تراویح پڑھا کر فارغ کر دے' ایسے حفاظ کرام کو پکا اور صحیح حافظ سمجھا جاتا ہے جو انتہائی تیز رفتاری سے تلاوت قرآن کریں اور اس میں غلطی یا بھول چوک بھی نہ ہو' نوجوان طبقہ خاص طور سے اس طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور ایسی بہت سی مساجد جہاں مناسب رفتار سے ترتیل کے ساتھ' الفاظ کی صحیح ادائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے نماز تراویح میں تلاوت ہوتی ہو' مقتدیوں کی زیادہ تعداد دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اب سرے سے ایسے لوگ ہی نہیں جو سکون و اطمینان سے تراویح میں تلاوت کلام حکیم حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ سننا نہ چاہتے ہوں' بلاشبہ ایسے نیک لوگ اب بھی ہیں مگر اکثریت کا حال وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

نماز تراویح میں مروجہ جلد بازی کا نقصان :

نماز کے تمام ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون سے ادا کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اور فقہ و فتاویٰ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ اعضاء کے سب جوڑ کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائیں' تیز رفتاری سے نماز تراویح میں یا کسی بھی نماز میں اگر تعدیل ارکان نہ ہو سکے جو کہ واجب ہے تو نماز ہی نہ ہو گی جن مساجد میں تیز رفتاری سے نماز تراویح پڑھی جاتی ہے وہاں یہ بات بطور خاص نوٹ کی گئی ہے کہ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں اطمینان و سکون ہی مفقود ہوتا ہے' خشوع و خضوع تو بعد کی بات ہے۔ بعض جگہ تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام نے نیت باندھ کر سورہ فاتحہ بھی پڑھ لی اور مقتدی ابھی ثناء بھی نہیں پڑھنے پائے۔

ایسی نماز سے کیا حاصل جس سے روح نماز ہی غائب ہو اور پورا زور کسی نہ کسی طرح بیس رکعت کی تعداد پوری کرنے اور ان میں جلد از جلد سوا یا ڈیڑھ پارہ ختم کرنے پر صرف ہو رہا ہو' خدارا اس عمل کی حوصلہ شکنی کیجئے' ائمہ تراویح کو اس بات کا پابند کیجئے کہ وہ تیز رفتاری سے نماز نہ پڑھائیں۔ نوجوانوں اور اپنے بچوں اور ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیجئے کہ وہ اطمینان و سکون سے نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اطمینان و سکون سے پڑھی ہوئی دو رکعتیں' جلد بازی اور بے سکونی کی

بیس تراویح سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سورتوں کی پر سکون تلاوت سے ادا کی گئی تراویح کی نماز تیز رفتاری، جلد بازی اور بے سکونی کی ان بیس رکعات سے افضل ہے جن میں آداب و قواعد تلاوت کا لحاظ کئے بغیر کسی طرح لشتم پشتم ختم قرآن کرنا مقصود ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

جلد بازی اور تیز رفتاری سے نماز نہیں ہوتی:

جو لوگ تراویح میں تیز رفتاری سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں یا جو تیز رفتار تلاوت سننا پسند کرتے ہیں تاکہ تراویح سے جلد فارغ ہو جائیں۔ انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ اتنی تیز رفتاری سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا کہ جس سے الفاظ پورے ادا نہ ہوں یا حروف اپنے صحیح مخارج و صفات کے ساتھ ادا نہ ہوں یا مد، و شد وغیرہ کا خیال نہ رہے یا وقف، وصل اور فصل کے قاعدوں کو نظر انداز کر دیا جائے جائز نہیں اور ایسی تلاوت کرنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ جب اس کی نہیں ہو گی جو پڑھا رہا ہے تو ان مقتدیوں کی بھی نہیں ہو گی جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ امام تلاوت کے آداب کا لحاظ کئے بغیر پڑھ رہا ہے اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں کیونکہ نماز میں سکون اور طمانیت شرط ہے جو خشوع و خضوع کا باعث بنتی ہے اور اگر بے سکونی اور جلد بازی کا مظاہرہ ہوا تو ایسی نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن سنانے کی اجرت:

نماز تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرنا ایسی قباحت ہے جو معاشرے میں تیزی سے پھیلی ہے، بعض مساجد میں تو ایسے اللہ والے لوگ مل جاتے ہیں جو بغیر کسی معاوضے کے قرآن کریم سنانے کو تیار ہوتے ہیں تاہم ایسی مساجد کی بھی کمی نہیں جہاں پہلے سے حافظ / قاری صاحب سے باقاعدہ اجرت طے کی جاتی ہے جسے عرف عام میں خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض حفاظ کرام (اللہ انہیں معاف کرے) طے کئے بغیر قرآن سنانے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب طے تو نہیں کرتے مگر انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس محلے سے اتنی رقم اختتام تراویح پر ملنے کی توقع ہے پھر اگر توقع سے کم ملے تو اس پر قناعت کے بجائے برملا اظہار ناراضگی و برہمی بھی فرماتے ہیں۔ نماز تراویح کے لئے یا قرآن پڑھنے یا سنانے کے لئے اجرت پیشگی طے اور مقرر کرنا صحیح نہیں اور ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جو قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرتا یا کرواتا ہے۔ لہٰذا

مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں اور حفاظ کرام سے بصد احترام درخواست ہے کہ وہ قرآن سنانے کی اجرت طے کر کے لوگوں کی نمازیں خراب کرنے سے باز رہیں۔

لاؤڈا سپیکر کے استعمال پر پابندی لگنی چاہیے:

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں نماز تراویح پر لاؤڈا سپیکر استعمال کیے جاتے ہیں' لاؤڈا سپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز یہ بذات خود ایک نزاعی مسئلہ ہے تاہم نظریہ ضرورت یعنی زیادہ سامعین و مقتدین تک آواز پہنچانے کی غرض سے اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن اس جواز سے جو بے جا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ حد جواز سے تجاوز ہے' شہری محلوں میں مساجد عموماً قریب قریب ہوتی ہیں اور لاؤڈا سپیکر کی آواز تیز ہوتی ہے جس سے ایک مسجد کی نماز تراویح کی آواز دوسری میں باآسانی پہنچ کر وہاں کے نمازیوں کے لئے باعث تکلیف بنتی ہے۔ نیز مساجد کی انتظامیہ اور منتظمین کو اللہ ہدایت دے تو انہیں یہ بات سمجھنی چاہئے کہ جس طرح مساجد میں مرد حضرات نماز تراویح میں مشغول ہیں اسی طرح گھروں پر خواتین بھی نماز ادا کرتی ہیں' لاؤڈا سپیکر کی تیز آواز ان کی نمازمیں یقینی خلل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو سامع خاموش ہو کر اسے سنے اب علماء کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خواتین جن تک لاؤڈا سپیکر کی آواز پہنچ رہی ہے وہ اس آواز پر توجہ دیں اور اس تلاوت کو سنیں جو آپ انہیں زبردستی سنوا رہے ہیں یا اپنی نماز پڑھیں؟

آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

براہ کرم مساجد میں اوپر کے لاؤڈا سپیکر جن کی آواز باہر جاتی ہے' نماز تراویح کے دوران تو بند رکھئے تاکہ گھروں پر موجود بوڑھے اور خواتین بھی اپنی نماز سکون سے ادا کر سکیں' ہاں البتہ مسجد میں موجود تمام لوگوں تک آواز تلاوت پہنچانے کی غرض سے (اگرچہ اس کے آپ شرعاً مکلف نہیں) صرف اندرونی اسپیکر استعمال کر لیا کریں تو بہت سوں کا بھلا ہو۔ بیرونی اسپیکر پر یہ پابندی مساجد کی انتظامیہ اور ائمہ حضرات مل جل کر خود ہی لگالیں تو بہتر ہے ورنہ عام مسلمانوں کے مطالبے پر اگر کبھی کوئی حکومت یہ پابندی لگائے گی تو اسے مداخلت فی الدین گردانا جائے گا اور بدمزگی پیدا ہو گی۔

تین روزہ...... چھ روزہ...... دس روزہ تراویح:

رمضان المبارک میں بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہارات کچھ ان عنوانات کے ساتھ چھپتے ہیں، تین روزہ تراویح، چھ روزہ تراویح، دس روزہ تراویح کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔

عام لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ ایسے پروگراموں میں زیادہ پیش پیش ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح ختم قرآن پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں کہ اس عمل خیر سے بے عملی کا جو پہلو برآمد ہوتا ہے وہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بعض نوجوان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تین روزہ یا چھ روزہ تراویح میں اگر ختم قرآن ہو جائے اور اس میں شمولیت کر لی جائے تو پھر رمضان کی باقی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور عملاً ایسا ہو رہا ہے کہ چھ روزہ تراویح میں شامل ہونے والے اکثر نوجوان باقی ایام رمضان میں مسجد کا رخ نہیں کرتے یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس عمل کو پسند کیا ہے جو اگرچہ تھوڑا ہو مگر اس پر ہمیشگی یا تسلسل رہے اور اس کے مقابلے میں ایسا نیک عمل جو زور و شور سے ہو مگر اس پر مستقل مزاجی اختیار نہ کی جا سکے اور تھوڑے عرصے بعد اس کے اثرات زائل ہو جائیں تو وہ بہر کیف نظر استحسان سے نہیں دیکھا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ:

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر زیادہ دوام (ہمیشگی) ہو خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔"

(صحیح مسلم)

نماز تراویح پر مداومت اور رمضان کی تمام راتوں میں قیام اور وہ بھی اطمینان و سکون کے ساتھ جبھی ہو سکتا ہے جب سکون و اطمینان کے حصول کے جو طریقے ہیں ان پر عمل کیا جائے اور ایسے تمام طور طریقوں سے اجتناب کیا جائے جو اس ماہ مقدس کی مخصوص عبادت (قیام) تراویح میں بے سکونی و بے اطمینانی کا باعث بنتے ہوں۔

رمضان کی راتوں میں یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ شروع کی تین چار راتوں میں مساجد میں نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ کم ہو کر نصف تک جا پہنچتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طویل نمازیں پڑھنے کی عادی نہیں یا سرے سے نماز ہی نہیں

پڑھتے مگر احترام رمضان و حبس شیطان کی وجہ سے مساجد میں آنے لگتے ہیں تین چار رات مسلسل ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ قیام کر کے تھک جاتے ہیں اور پھر آنا چھوڑ دیتے ہیں اگر ایسا اہتمام ہو کہ ہر محلہ میں کم از کم ایک مسجد ایسی ہو جہاں چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح پڑھانے کا انتظام ہو تو عبادت کی خاطر رمضان میں مسجد کی طرف اٹھنے والے یہ قدم جو دو چار دنوں میں تھک کر رک جاتے ہیں ان میں دوام اور استقامت پیدا کی جا سکتی ہے اور اگر ائمہ حضرات ذرا سی توجہ دیں تو ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے عمل میں مداومت (ہمیشگی) پیدا کرنے کے خوگر ہو جائیں گے اور ایک ماہ کا یہ کورس انہیں رمضان کے بعد بھی عبادت کی طرف مائل ہی رکھے گا۔

نوافل میں حاضر فرائض سے غائب:

بعض لوگ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح میں تو بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے شامل ہوتے ہیں مگر سحری کھانے کے بعد نیند سے مغلوب ہو کر فجر کی نماز جماعت سے اور وقت پر ادا نہیں کر پاتے اس بات کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے کہ نوافل کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹنے پائے دوسری طرف بعض حضرات جو رمضان کی راتوں میں شب بیداری کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں وہ دن کے اوقات میں اپنے فرائض منصبی (ڈیوٹی) صحیح طور پر ادا کرنے کے بجائے چھپ چھپا کر سونے کی کوشش کرتے ہیں یا دیر سے ڈیوٹی پر جانے اور آنکھ بچا کر جلد نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے رزق حلال کمانے میں جو دیانتداری و محنت مطلوب ہے وہ نہیں ہو پاتی اور یوں نفلی عبادات کی وجہ سے حقوق العباد میں کمی ہو جاتی ہے جو کسی بھی صورت مستحسن نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ نفلی عبادات میں اس طرح وقت لگایا جائے کہ فرائض خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق، متاثر نہ ہونے پائیں۔

نماز تراویح کا حقیقی لطف جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب اس کا اصل مقصد پیش نظر رہے اور وہ ہے حقوق اللہ و حقوق العباد ادا کرتے ہوئے، فرائض و واجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ ماہ رمضان میں اضافی طور پر قیام اللیل کی کوشش کرنا اور کامل اطمینان و سکون اور خشوع و خضوع سے نماز تراویح میں کلام حکیم کی سماعت کرنا تاکہ سابقہ گناہوں کی بخشش ہو سکے۔

لوگ کیا کہیں گے؟

تدوین و تصنیف

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۸۸۷، گلشن اقبال، کراچی۔۷۵۳۰۰

فقہی اقتباسات

نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

(مفتی محمد صالح العثیمین، رکن، مستقل فتویٰ کونسل سعودی عرب)

س: فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کا کیا حکم ہے؟

ج: پانچوں نمازوں اور نمازِ جمعہ کے بعد بلند آواز سے ذکر نادو شرطوں کے ساتھ سنت ہے۔

۱۔ اتنی بلند آواز نہ ہو کہ جو چیخنے چلانے کے مترادف ہوتی ہے۔

۲۔ اس کے قریب کوئی شخص اپنی باقی ماندہ نماز مکمل کرنے میں مصروف نہ ہو۔

بلند آواز سے ذکر کرنے پر دلیل صحیح بخاری شریف کی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ یہ روایت (حدیث) ہے۔

"حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے۔"

(بشکریہ مجلد الدعوۃ، الریاض، السعودیہ، شمارہ ۱۷۶۴، ۱۹ اکتوبر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۵۲)

کریڈٹ کارڈ کا استعمال ناجائز ہے

مجمع الفقہی الاسلامی الدولی نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۳ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء بمقام الریاض سعودی عرب۔ اہل علم وعلمائے بلادِ عربیہ واسلامیہ کی متفقہ رائے سے یہ طے کیا کہ:

۱۔ ایسے تمام کریڈٹ کارڈز کا اجراء ناجائز ہے جو سودی فوائد و منافع کے ساتھ مشروط ہوں اگرچہ کارڈ ہولڈر مدتِ مقررہ کے اندر ادائیگیوں کی نیت وارادہ سے ہی کیوں نہ جاری کروائے۔

۲۔ اگر سودی فوائد / منافع کی شرط کے بغیر کارڈ جاری کیے جائیں تو وہ صرف اس صورت میں جائز ہوں گے جبکہ:

(الف) کارڈ جاری کروانے والے شخص سے صرف کارڈ جاری کرنے کی فیس یا تجدید کرانے کی فیس اسی قدر لی جائے جو حقیقتاً کارڈ جاری یا تجدید کرنے کی اجرت بنتی ہو۔

(ب) کارڈ جاری کرنے والے بینک کارڈ کے مقابل فروخت شدہ سامان پر تاجروں سے کمیشن صرف اس صورت میں لیں کہ وہ سامان اسی قیمت پر کارڈ کے عوض فروخت کریں گے جس قیمت پر نقد (کیش) کے عوض فروخت کرتے ہیں۔

۳۔ کارڈ ہولڈر اگر کارڈ دکھا کر کسی بینک یا ادارہ سے کیش حاصل کرے تو یہ کیش اس کے ذمہ قرض متصور ہوگا اور یہ جائز ہے بشرطیکہ اس پر اسے سود ادا نہ کرنا ہو۔ اور اس پر سروس چارجز کی مد میں وقت یا مدت کی کمی بیشی کے لحاظ سے کمی بیشی نہ ہو کیونکہ یہ سود ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

۴۔ کسی کریڈٹ کارڈ پر سونا چاندی اور دیگر کرنسیاں خریدنا جائز نہیں۔

(بشکریہ مجلہ الدعوۃ الریاض' (سعودی عرب) شمارہ ۱۷۶۴، ۱۹ر اکتوبر ۲۰۰۰ء)

نوٹ: کریڈٹ کارڈ کے حوالہ سے تفصیلی معلومات کے لئے راقم کی کتاب "کریڈٹ کارڈ" اردو میں مطالعہ کیجئے۔ (مدیر اعزازی' مجلہ فقہ اسلامی)

ٹیلیفون یا انٹرنیٹ پر نکاح

سعودی عرب کے مفتی محمد صالح العثیمین لکھتے ہیں: انٹرنیٹ اور ٹیلیفون پر نکاح جائز نہیں۔

"لا یجوز عقد النکاح عبر الانترنیت او الهاتف۔ لانه لابد من شروط لاتتفق اذا عقد علیٰ هذا الوجه او لا تحصل اذا عقد علیٰ هذا الوجه"

کیونکہ نکاح کی بعض شرائط ایسی ہیں جو انٹرنیٹ اور فون پر نکاح کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں۔

(مجلہ الدعوۃ الریاض' شمارہ ۱۷۴۵، ۸ ا/ جون ۲۰۰۰ء)

تعارف کتبِ فقہ و فتاویٰ

فتاویٰ مہریہ

فتاویٰ مہریہ، سید پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیے گئے فقہی استفسارات کے جوابات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے۔ پیر صاحب گزشتہ صدی کے ایک ثقہ عالم اور صوفی بزرگ ہیں، مرزائیت / قادیانیت کے خلاف اپنے علمی و عملی کارناموں کی بناء پر عالم اسلام آپ سے متعارف ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی کا ایک باب (انشاء اللہ) آئندہ شمارے میں شائع ہوگا۔ آپ کا مزار گولڑہ شریف (اسلام آباد) میں آج بھی مرجعِ خلائق ہے۔

زیرِ نظر مجموعۂ فتاویٰ باریک قلم کے ۱۵۲ صفحات پر محیط ہے اور اس میں درج فتاویٰ کی تعداد ۶۸ ہے۔ مرتب مفتی جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف مولانا فیض احمد فیض ہیں۔

اس مجموعۂ فتاویٰ میں جن مسائل کو شامل کیا گیا ہے ان میں درج ذیل خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

- ✯ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض سوالات کے جواب۔
- ✯ غیر مقلدین (وہابیہ) کے بعض اعتراضات کے جواب۔
- ✯ مرزائی و بہائی فرقہ کے اعتراضات کے جواب۔
- ✯ بیعت اور سماع سے متعلق بعض اعتراضات کے جواب۔
- ✯ علم فقہ کے مآخذ پر گفتگو۔
- ✯ روح کے بارے میں بعض سوالات کے جواب۔
- ✯ غیر مسلم کے طعام کا شرعی حکم۔
- ✯ موزوں (جرابوں) پر مسح کا حکم۔
- ✯ دیہاتوں میں نمازِ جمعہ کا شرعی حکم۔
- ✯ رویت ہلال کے بارے میں ایک وضاحت۔
- ✯ مردوں کے لیے سونے کے زیورات کا حکم۔
- ✯ کرنسی نوٹ کی خرید و فروخت کا مسئلہ۔

☆ ذبیحہ فوق العقدہ کا حکم۔

☆ طاعون زدہ علاقے میں رہنے یا نکل جانے کا حکم۔

☆ کانگریس کے بارے میں رائے۔

☆ تحریکِ خلافت اور بیعت امامت پر گفتگو۔

☆ مسلمانانِ ہند کے حکومتِ برطانیہ سے تعلقات کی تحقیق۔

☆ نکاح و طلاق کے بعض مسائل۔

☆ اہل تشیع کے چند سوالات کے جواب۔

فتاویٰ مہریہ کے مرتب مولانا فیض احمد فیض کے بقول "پیر سید مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علوم ظاہرہ و باطنہ سے اتنا حظِ وافر عطا فرمایا تھا کہ بلاریب کمالاتِ علمیہ میں آپ باب مدینۃ العلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مظہر اتم نظر آتے تھے۔

فتاویٰ مہریہ میں پیر صاحب اپنی علمی جلالتِ شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ اگرچہ یہ مجموعہ آپ کے بیان کردہ تمام علمی مسائل و نکات کا احاطہ نہیں کرتا۔ تاہم قارئین اس سے بہت سے مسائل میں رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

فتاویٰ مہریہ کی طباعت لاہور میں ہوئی ہے اور مقام اشاعت گولڑہ شریف ہے' قیمت درج نہیں۔ مطالعہ کے خواہش مند بڑے علمی مکتبات سے یا براہِ راست جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف اسلام آباد سے طلب کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

تبصرہ کتبِ فقہ

نام کتاب : **ایصالِ ثواب کا مسئلہ**
مصنف : ڈاکٹر سید صدر الحسن (Ph.D)
ناشر : ایس آر پبلی کیشنز ۱۴ پریس چیمبرز، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی
قیمت : ۵۰ اروپے۔ صفحات : ۲۳۲
ملنے کا پتہ : سید صدر الحسن صاحب، C-84، بلاک آئی، نارتھ ناظم آباد، کراچی

زیرِ نظر کتاب مخدوم و محترم حضرتِ علامہ پروفیسر فضل القدیر ندوی صاحب (دامت برکاتہم) نے مجھے عنایت فرمائی اور اس پر تبصرہ سپردِ قلم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علامہ خود صاحبِ سلسلہ بزرگ ہیں اور پھلواری شریف سے نسبت خاص رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ عالیہ کے ایک گل سرسبد کی تحقیق انیق ہے۔ کتاب کا مقدمہ حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحب دامت برکاتہم خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (انڈیا) کا تحریر کردہ ہے جو اس کتاب پر مقدمہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر ایک خوب صورت اور جاندار تبصرہ بھی ہے۔

ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

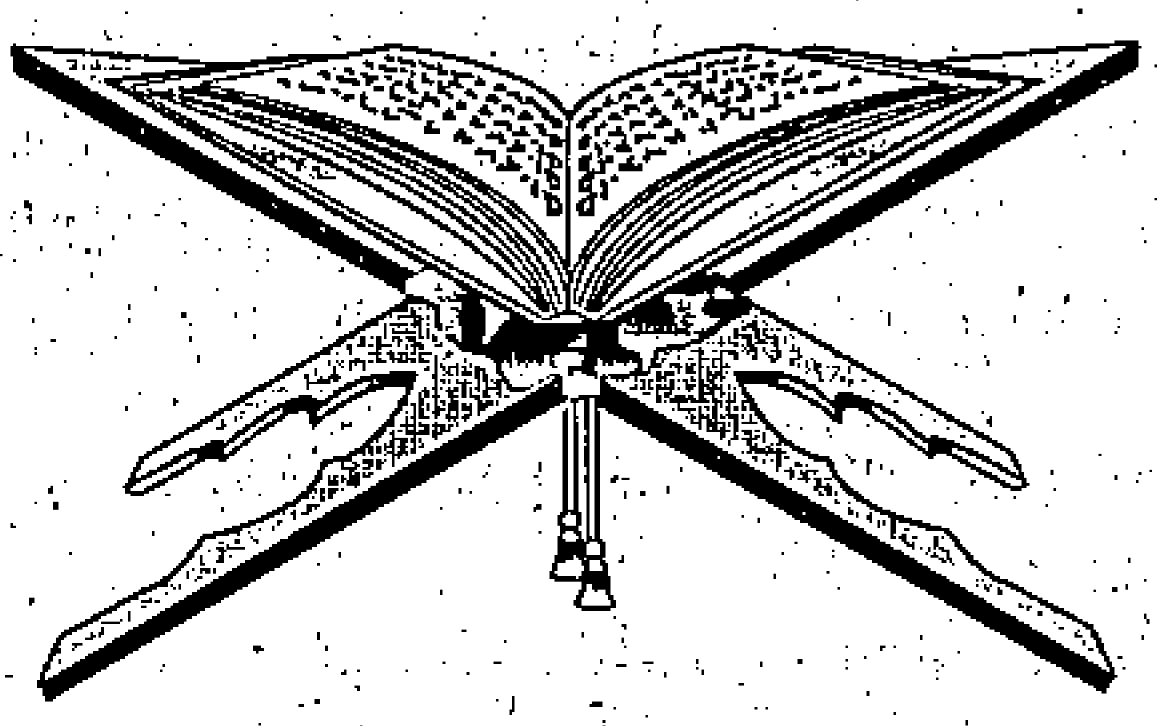
مسئلہ ایصال ثواب، امت کا اجماعی اور اتفاقی مسئلہ ہے، پچھلی ایک صدی تک ایصالِ ثواب اور اس کے مختلف طریقوں پر اکابر ملت کا مکمل اتفاق و اتحاد رہا، اس کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ نہ کبھی زیرِ بحث آیا، نہ اس کے جواز پر کبھی دلیل پیش کرنے کی ضرورت سمجھی گئی "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے مصداق یہ مسئلہ ظن و تشکیک سے پاک تھا، ائمہ مجتہدین، علماء زماں، مشائخ عصر سبھی کے نزدیک مسئلہ ایصالِ ثواب اپنے تمام ان متنوع طریقوں کے ساتھ جو نصوص شریعہ سے متصادم نہ ہوں جائز، مباح اور مستحسن سمجھا جاتا رہا، لیکن اس امت کا المیہ یہ ہے کہ اتحاد و اتفاق اس کو راس نہیں آتا اور چشم فلک نے اس کو کبھی متحد دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ ہماری اب تک کی تاریخ گواہ ہے کہ ملت کی وحدت و جمعیت کو سب سے زیادہ جن سے نقصان پہنچا ہے وہ اس امت کے ہی افراد ہیں، کم فہم اور سطحی علم رکھنے والے اختلاف کے نکتے تلاش کرنے میں ہمیشہ لگے رہے ہیں، مسئلہ ایصالِ ثواب کے سلسلے میں بھی یہی کچھ ہوا اور اب تک اختلافات کے نکتہ نادیدہ کی تلاش بے سود جاری ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امت کے نام نہاد رہنما کسی بھی نکتے پر امت مسلمہ کو اتحاد کے سلک گہر میں مربوط دیکھنا نہیں چاہتے۔

پیش نظر کتاب اپنے موضوع پر جامع اور تحقیقی کتاب ہے' کتاب و سنت' صحابہ و تابعین کا عمل اور ان کے بعد کے اکابر اہل سنت و جماعت کے حوالے اس کتاب میں بڑے سلیقے سے جمع کئے گئے ہیں جو اثبات مدعا کے لئے بہت کافی ہیں' ایصالِ ثواب اور اس کی مختلف نوعیتوں پر جو شکوک و شبہات عوام کے ذہنوں میں پیدا کئے جاتے ہیں' یہ کتاب ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کرتی ہے' البتہ جو لوگ اس مسئلہ کو نہ سمجھنے کی قسم کھائے بیٹھے ہیں ان کو سمجھانے کے لئے تو لقمان کی حکمت بھی ناکافی ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے فاضل مصنف کی وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ مسئلہ کے کسی گوشہ کو مصنف نے تشنہ نہیں چھوڑا ہے اور ہر نکتے کی وضاحت میں کتاب و سنت آثار صحابہ اور سلف صالحین کے حوالے پیش کئے ہیں' زبان سادہ سلیس اور عام فہم استعمال کی گئی ہے۔

منکرین ایصال ثواب جب اس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے جذبات قابو میں نہیں رہتے' وہ مسئلہ کا سنجیدگی سے جواب دینے کی بجائے مخاطب کو اپنے طنز و استہزاء کا نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ علمی مباحث کے لئے تہذیب و متانت ضروری ہے ورنہ عالم و جاہل میں کیا فرق رہا۔ بات یہ ہے کہ استدلال کی قوت جب کمزور پڑ جاتی ہے تو جھنجھلاہٹ اور بے بسی میں تہذیب اور وقار کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک غیر سنجیدہ تحریر اس موضوع پر مصنف کے قلم اٹھانے کا محرک بنی ہے۔ فاضل مصنف نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور معترض کے تمام مہمل اعتراضات کا مدلل جواب دیا ہے' اس کتاب کی یہ خوبی بھی قابل ذکر ہے کہ قلم میں کہیں سختی نہیں آئی ہے' طنز و استہزاء سے دانستہ احتیاط کی گئی ہے کیونکہ یہ طریقہ اہل حق نہیں ہے۔ مسئلہ ایصالِ ثواب کا اثبات پورے اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ محض حق واضح کر دیا جائے' کتاب کا طرز تحریر اور استدلال کتاب کو زیادہ وقیع بناتا ہے۔ درمیان میں کہیں کہیں بعض معلومات افزاء مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں مثلاً حجج شرعیہ کی بحث یعنی کتاب' سنت' اجماع اور قیاس' اس پر اچھی بحث کی گئی ہے' مصنف نے حجج شرعیہ کی تعریف کی ہے اور ایصالِ ثواب کے جواز و اثبات میں چاروں حجت شرعی سے حوالہ پیش کیا ہے' بعض اہم عنوانات پر تفصیلی اور تحقیقی بحث کی گئی ہے مثلاً ''نذر و منت'' ''امت کی جانب سے قربانی'' اس سلسلے میں مخالفین کے مسلک پر نقد و جرح بھی کی گئی ہے۔

کتاب کی عمدہ کمپوزنگ و طباعت' بہترین آفسٹ پیپر' دیدہ زیب فلیپر سرورق اور نفیس چرمی جلد قاری کو از خود' دعوتِ مطالعہ دیتی ہے اور یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ جو ایک بار اسے مطالعہ کی نیت سے ہاتھ میں لے گا وہ پھر اسے تمام کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (ن۔ا۔ش)



such "gifts" will be regarded as remuneration for performing Taraweeh. Therefore it will not be permissible to accept such "gifts." All the thawaab (reward) for performing the salaah will be lost in this case as well if such a "gift" is accepted.

The Hafiz should therefore respectfully decline such "gifts." Rather, he should make it known from the moment that he accepts to perform the Taraweeh that he will not accept any gifts upon completion. Thus the trustees will be aware of this in advance and any possible embarrassing situation will be averted. Do not ruin your thawaab for a few coppers. Remember that what is in store for you in the Aakhirah is more valuable than the entire world and what it contains.

CONCLUSION

Finally, dear Hafiz, always keep in mind the elevated status and position that Allah Ta'ala has granted you. Never forget that you are a member of Allah Ta'ala's "family." Hence let the radiance of the Qur'an shine forth from every action and remain eligible for the great rewards that Allah Ta' ala has promised a true Hafiz. Furthermore, when you are appointed as the Imaam to lead the Taraweeh salaah, keep in mind all that has been mentioned above. Also carefully study the masaa'il of Taraweeh that are recorded hereunder.

May Allah Ta'ala keep you steadfast and grant you the best of both the worlds. May He enable you to remain steadfast upon the injunctions of the Qur'an. May He raise you on the day of Qiyama with Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) and accept the intercession of the Qur'an in your favour. Aameen.

(For details please see the Book "The Social and Leagal status of Imam & Khateeb" By : Dr. Shahtaaz

stated that it is makrooh tahrimi to appoint such a person as the Imaam who shaves his beard or trims it to less than one fist length. Makrooh tahrimi is a category that is next to Haraam, therefore such an aspect is also forbidden. If one who shaves his beard is nevertheless appointed as the Imaam, the salaah of the muqtadis (followers) will be makrooh. However, the collective burden of the deficiency in the salaah of the entire congregation will be upon the Imaam and upon those who appointed him to lead the salaah1.

What a huge burden to carry! Can any person afford to take on such a burden? And that also in the month of Ramadhaan, the month wherein you should be earning more rewards, not extra sins? Thus, dear Hafiz, never shave off your beard or trim it to less than the extent of one fist.

PANTS BELOW THE ANKLES

Likewise it is also Makrooh Tahrimi to wear one's pants below the ankles at all times, whether in salaah or outside it. The salaah that is performed by a person whose pants are below his ankles is makrooh. In numerous Ahadith Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) has warned against wearing the pants below the ankles. It is reported from Abu Hurairah (R.A.) that Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) said: "Whatever is below the ankles from the izaar (pants or any garment which covers the bottom half of the body), that (portion of the leg which is covered below the ankle) is in the fire" (Sahih Bukhari). In another narration it is reported that Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) said: "Beware of lowering your izaar below your ankles, for verily that is from pride. And Allah Ta'ala does not love pride" (Abu Dawood). Therefore, dear Hafiz, totally refrain from this as well at all times, especially while in salaah.

GIFTS

Upon the completion of the Qur'an in Taraweeh salaah many Huffaaz are presented with gifts. If a person makes it a condition that he will only perform Taraweeh if he is given some gift upon completion, such a condition will be impermissible. The thawaab of performing the salaah is totally lost.

But what if no formal condition was made? In this regard the Fuqaha have stated the following principle: "al ma'roof kal mashroot," which simply means that something that is customary will be considered to be a condition. Hence since it is a common practice in many places that the Huffaaz are given money, etc., upon the completion of the Qur'an,

be makrooh, with what purity of the heart can a Hafiz lead the Taraweeh salaah when the filth of the T.V. is in his heart and mind. Similarly, to freely intermingle with ghair mahrams (those with whom marriage is not perpetually haraam) is not permissible even if such ghair mahrams are closely related to one (such as sisters-in-law, cousins, etc.). This also results in zina of the eyes, ears, etc. The Imaam should therefore be extra careful in this regard.

BEARD

Another aspect that the Fuqaha (jurists) have unanimously regarded as an open sin is the shaving off of the beard or trimming it to less than the extent of one fist length. The beard is not "just a sunnat." According to all the four Imaams of fiqh it is waajib to keep a beard to the extent of one fist length. This compulsion has been derived from various Ahadith wherein Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) has greatly stressed the keeping of the beard. In many Ahadith Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) has given the imperative command of lengthening the beard.

It is reported that once a fire-worshipper, who had shaved his beard and lengthened his moustache, came to Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam). Upon seeing him in this condition Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) said: "What is this you have done?" He replied: "This is our religion." Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) said: "In our religion WE ARE COMMANDED to lengthen the beard and cut the moustache". (Hukmul Lihya Fil Islam).

In another Hadith it is recorded that Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) DISLIKED looking at the emissaries that came from the court of Kisra because they shaven their beards. He said to them: "Woe unto you! Who has told you to make your appearance like this?" They replied: "Our lord, the emperor Kisra ordered us to do so." Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) said: "But I have been COMMANDED by my Lord, Allah, to lengthen the beard and cut the moustache" (Al Bidaya wan Nihaya). Consider this narration carefully. Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) DISLIKED looking at the emissaries BECAUSE they had shaven off their beards. The gravity of this matter is apparent from these Ahadith.

COLLECTIVE BURDE

When this is the injunction for ordinary Muslims, it becomes even more important and significant for an Imaam. Due to the great stress in

NO HASTE!

Extremely important is the proper performance of ruku, qaumah (the standing posture after ruku before going into sajda), sajda and jalsa (the sitting posture between the two sajdas). It is waajib to remain AT LEAST for the duration of one tasbeeh in ALL the above four postures. The duration of one tasbeeh in this context is the extent it takes to say subbahana rabbiyal azeem once. It is sunnatul muakkadah to recite the tasbeehs of ruku and sajda at least thrice. The Imaam must recite the tasbeehs at least three times each in such a manner that the muqtadies also manage to recite the tasbeehs thrice. It is makrooh to recite the tasbeehs so quickly that (in general) the muqtadies do not manage to recite the tasbeehs thrice (see Fatawaa Mahmoodia v. 2, p. 108). Keep in mind that you have not been appointed as the Imaam to break any speed records. You are not in some sort of marathon that you want to complete in record time. Do not perform the Taraweeh in such a manner as if you "just want to get over with it." You are carrying on your shoulders the responsibility of the salaah of the entire congregation. You can NEVER dare to be hasty or negligent. Always keep in mind the Hadith wherein it is stated that the salaah that is not performed properly rises up in an ugly and dark shape and curses the one who performed it. It is then flung back like a dirty rag on the face of the person (Tabrani).

CONSIDER MUQTADIES

While refraining from being hasty, one should also consider the ease of the muqtadies. Therefore a moderate pace should be adopted, not such a slow pace which tires the muqtadies. The rakaats should also be approximately of even length. To recite a very lengthy portion in the first rakaat and just a few aayats in the second rakaat tires most muqtadies.

SINS

The qualities of an Imaam have already been listed. Among them is the important aspect that the Imaam must not be one who commits sins openly.

Among the common sins which are committed openly in our time is the watching of T.V. and the intermingling of the sexes. As for T.V., people all sit together engaging collectively in the zina of the eyes and ears. Besides this open sin rendering the Imaamat of such a person to

the Imaam has to be even more careful that the sunnah procedure is carefully observed while performing ghusal and wudhu.

TARAWEEH SALAAH

Eventually that day will come when the crescent of Ramadhaan will be sighted. On that night you will have to assume your position as the Imaam of the Taraweeh salaah and lead the congregation. It is extremely important to keep in mind that Taraweeh salaah is also SALAAH. While the pace of reciting the Qur'an may be a little faster in Taraweeh salaah, the same care must be taken in performing Taraweeh as is necessary in the daily Fardh (obligatory) salaah.

COMMUNICATING WITH ALLAH TA'ALA

Consider that even while performing Taraweeh salaah you are communicating with Allah Ta'ala. Ponder over the following hadith: Rasulullah (Sallallahu Alaihi Wasallam) is reported to have said that when the musalli recites the first aayah of Surah Fatiha in salaah, Allah Ta'ala replies and says: "My servant has praised Me." When he recites the second aayah Allah Ta'ala says: "My servant has glorified Me." When he recites the third aayah Allah Ta'ala says: My servant has extolled My praises." When he recites the verse "You Alone do we worship and You Alone do we ask for assistance," Allah Ta'ala says: "This is between Me and My servant." Finally when he completes the rest of the Surah, Allah Ta'ala declares: "This is for My servant - and for My servant is what he has asked" (Mishkaat).

TAJWEED

Hence, when the salaah is a means of communication with Allah Ta'ala, it must be performed in a most dignified manner. The speed of the recitation must not be so fast that some of the words cannot be clearly heard. The recitation must be absolutely clear. The rules of Tajweed must be adhered to. Of utmost importance is the correct pronunciation of the letters. Often due to "high speed" recitation, the letters are not pronounced clearly. In many instances such incorrect pronunciation results in the meaning being completely changed. This is a major sin and one must therefore totally refrain from it. Remember! Taraweeh is salaah. It is an ibadah. Like in any other salaah, one is communicating with Allah Ta'ala in Taraweeh also. Thus be particular with the speed of recitation as well as all other aspects.

RESPONSIBILITIES OF IMAAM

An extract from

"The Social and Leagal status of the Imam & Khateeb"

By : Dr. Shahtaaz

As the month of Ramadhaan approaches, the Huffaz (plural of Hafiz) will be selected to lead the people in Taraweeh salaah. Thus you will be appointed as the Imaam to enable the people to perform the special Ibadah of Taraweeh salaah. According to the Ahadith the Imaam enjoys a superior status. It is reported in a Hadith that the Imaam who performs salaah in such a manner that the congregation is pleased will have a mount of musk on the day of Qiyamat (Tirmizi vol.2, pg.84). Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) also made dua for the hidayat (guidance) of the Imaams (Tirmizi vol.1, pg.51).

This is indeed an honour – but more than that it is a tremendous responsibility. Rasulullah (sallallahu alaihi wasallam) is reported to have said: "The Imaam is responsible (Haakim)."If the Imaam performs the salaah correctly, the salaah of the congregation will likewise be correct. If the Imaam is negligent, he will bear the burden of the deficiency that occurred in the salaah of the entire congregation due to his negligence. The Imaam should also be an Imaam in the Musjid while leading the salaah, as well as conduct himself as an Imaam when out of the Musjid. This applies even though you may just be an Imaam for the Taraweeh salaah only. Hence the Hafiz who will lead the Taraweeh salaah should at all times posses, among others, the following qualities of an Imaam:

* He must be upright and pious
* He must be able to recite the Qur'an correctly
* He must know the basic masaa'il of Deen pertaining to taharah, salaah, etc.
* He must be one who knows the Sunnah and adheres to it
* He must not be one who openly commits sins
* He must at all times be humble

KNOWLEDGE OF MASAA'IL

Among the qualities of the Imaam stated above is the essential quality that he should be well acquainted with the basic masaa'il of taharah, Salaah, etc. The ghusal and wudhu must be performed completely in the sunnah manner. Neglecting to perform the ghusal and wudhu in the sunnah manner will cause a deficiency in the quality of the salaah. Thus

Qur'an tonight. On the Night of Qadr. Qur'an is brought down the skies of this planet called "Earth" tonight. Allah says, "Tonight is better than 1000 months" Why? Look carefully at how much difference Allah recognized between people. Normally, the Holy Qur'an guarantees to grant 10 merits for each 1 merit worth of good deed of a person. No matter what kind of a person he is (even he is the worst person in the world) he receives these 10 merits. But those who enter the "Path of Allah" start getting 100 merits instead of 10 at the very moment of entrance. This is the status until the first level of skies (heavens). At the second heaven (i.e. when the spirit reaches the second level of heaven) it becomes 200 merits. At the third heaven it becomes 300 merits, at the fourth, fifth, sixth and seventh of heavens it reaches 700 merits. Dear readers, one one good deed becomes worth 700 merits. This is the distinctive treatment of Allah to those he loves. This treatment tonight is really distinctive. It is neither only 700 merits, nor 700 times, nor 7000 times, but it becomes maybe 70 thousand or even 700 thousand times. Think about it. If you worship Allah the whole night with his 700 times scale, how much credit would you gain? Extend this as if you have worshipped 1000 years (Allah says Qadr Night is better than 1000 months). Assume you receive tonight, 700 merits every second. If you extend this to 1000 months, this is how much merit you would accumulate in this night. Tonight we are together, we have a conversation, and we are together with our Sustainer. Tonight Allah wants me to tell you about Tasavvuf (Sufism, the Islam in the Qur'an) from A to Z. I must admit that I receive a great pleasure from this. We are living a unique night. Dear readers, this is one holy night that comes but once a year. How much I wish that you saw the unseen people that prayed with us. Dear readers, I know one-day the majority of you will see them. Now few of you do. So let us start our chat.

First let me tell you definitely that no one can get into Allah's heaven just by living Islam's 5 rules. What does it mean to reach Allah? If you want to deliver your spirit to Allah how can you deliver your physical body and your soul? How can you reach and surrender?

3-WHAT IS ISLAM?

Islam is a fruit that ripens in 5 stages. The first stage gives us the joy (happiness) of entering heaven. The last 2 stages give us the joy (happiness) in this world.

Here is the first stage: To wish (to will) to reach Allah.

Second phase: To reach to your religious guide (murshid).

Third phase: To deliver your spirit to Allah.

Each of the above three stages enables the person to go to heaven (provided the 5 pillars of Islam plus Zikr are in effect). The final two stages on the other hand are the deliver of the physical body and the soul to Allah.

4-NIGHT OF QADR

If Allah allows me (tonight), I'd like to explain all the stages fully. Do you know, dear readers, we had longed for sometime for such an opportunity? Until now we always had to design the program according to specific questions about individual sections. Tonight, dear readers, it is our night and you will hear the complete story. Tonight we are together before Allah, heart to heart to celebrate this holy Night of Qadr. Those people whose "eye of the heart" is not open; how are they to know that the Divan-□ Salihiyn (Court of Saints) empties tonight? I'll tell you an anecdote about this "how are they to know" so that you remember tonight.

One of the hunters shows his guests the fur of a bear. He says:

-I shot this bear in Africa. His friends look at each other incredulously and say:

-But how can that be? This bear is a polar bear.

-Poor bear, says the hunter, how could she know that she was in Africa?

Dear readers, so I'd like to start my words with such an anecdote: People who know and people who do not know. Those who are the friends of Allah and those who are not.... Allah delivers the Holy

(nefs) to Allah at three different stages. The Holy Qur'an commands clearly and definitely that we do that in verse 58 in the surah of Nisa, Allah tells us:

4/ NISA-58:"innallahe ye'mürüküm en tüeddûl'emânâti ilâ ehliha ve izâ hakemtüm beynennâsi en tahkümû bil'adl, innallahe ni'immâ ye'izuküm bih, innallahe kâne semiy'an bas□yrâ."

Allah commands that we surrender the "emanet"'s (the consignments) to the owner. When you mediate between people He orders to judge with justice. Definitely Allah bestows a "ni'met" (favor) with this. And Allah is all hearing and all knowing.

Pay close attention: He does not use the singular form for what is to be returned (emânât not emanet); and he does not use the plural to whom they are to be returned. Allah means that he is the owner of the three "emanet"s. And we have to return those three emanets to Allah. (Spirit, physical body and the soul). Holy Qur'an in the surah of Bakara, verse 208 Allah says:

2/BAKARA-208:"yâ eyyühellezine amenûdhulû fissilmi kâffeten, ve lâtettebbi'û hutuvâti□□eytan. □nnehü leküm adüvvün mübin."

Allah says those who are "amenu", (who are faithful) let them acquire the standards of total surrender to Allah. Don't follow the tracks of Satan. Undoubtedly, he is an obvious enemy for you.

Allah says in the 54th verse of the surah of Zümer:

39/ZÜMER-54 Ve eniybû ilâ rabbiküm ve eslimû lehû min kabli en ye'tiyekümül'azâbü sümme lâ tünsarûn"

Before the suffering reaches you (the suffering in the grave) return (your spirit) to Allah and submit yourself otherwise you won't be helped.

2-ARE THOSE WHO FULFILL THE 5 RULES OF ISLAM REALLY ISLAM?

Dear readers to be Islam means TO SURRENDER TO ALLAH. There are 5 pillars of the Islamic Religion, which are a belief in Allah and in Muhammad (SAW) as his prophet, in prayer, in charity, in fasting, and in making a pilgrimage to Mecca. Whoever obeys these 5 rules is surrendered to Allah, they say. Tonight I want to tell you what a wrong conception that is and how far away it is from the reality of Allah.

CONVERSATION ON THE HOLY NIGHT OF QADR

THE ISLÂM PHENOMENON

(Dr. İskender Ali MIHR (Izmir Turky)

1-INTRODUCTION

We praise and give thanks to Allah for bringing us all together again on this Holy Night.

Dear readers, tonight is the Qadr Night.[1] Let every one celebrate the Qadr Night on the 27th night of the month of Ramadan. But this year, it is actually the 23rd night of Ramadan. All the members of "Divan-i Salihiyn"(Court of Saints) will come down on earth with the angels that Allah designated to their work on this earth, but they are always among us at all times, even now. Dear readers we give thanks and praise to our Allah for allowing our word to spread by Internet, and also for allowing us to pray "Taraweh Prayer" together.[2]

Dear readers, I want to tell you about Islamic Religion. As you know our time is usually limited but not tonight. We have nothing to do with those who are not in love with Allah, We are all together to learn about Islam, but the Islam that Hz. Muhammad Mustafa (SAW) [3] and his Sahabe[4](companions) lived and which is forgotten today. Dear readers, the word of Islam is derived from the root of "silm". i.e., the Arabic letters Sin Lam and Mim. There are other words derived from the same root such as Muslim, Salaam, and Salaamed and especially and especially the word "teslim". Thanks to Allah we all know what the word "teslim"(surrender, submission) means: To give it back to the original owner without any option (preconditions). So, we have the duty to first deliver our spirit then our physical body and then our soul

[1] Qadr Night is the night when the Qur'an commenced descending. However it is not a fixed night in the month of Ramadan. The Prophet (SAW) has informed us that it should be sought in the last 10 days of Ramadan with an odd number.

[2] Teravih Prayer is a special prayer, which is practiced in the month of Ramadan only.

[3] SAW "sallallaahu 'alaihi wasallam" in Arabic means "Peace be upon Him."

[4] Sahabe is companion followers of the Prophet Hz. Muhammad (SAW)

Monthly

Fiqh -e- Islami

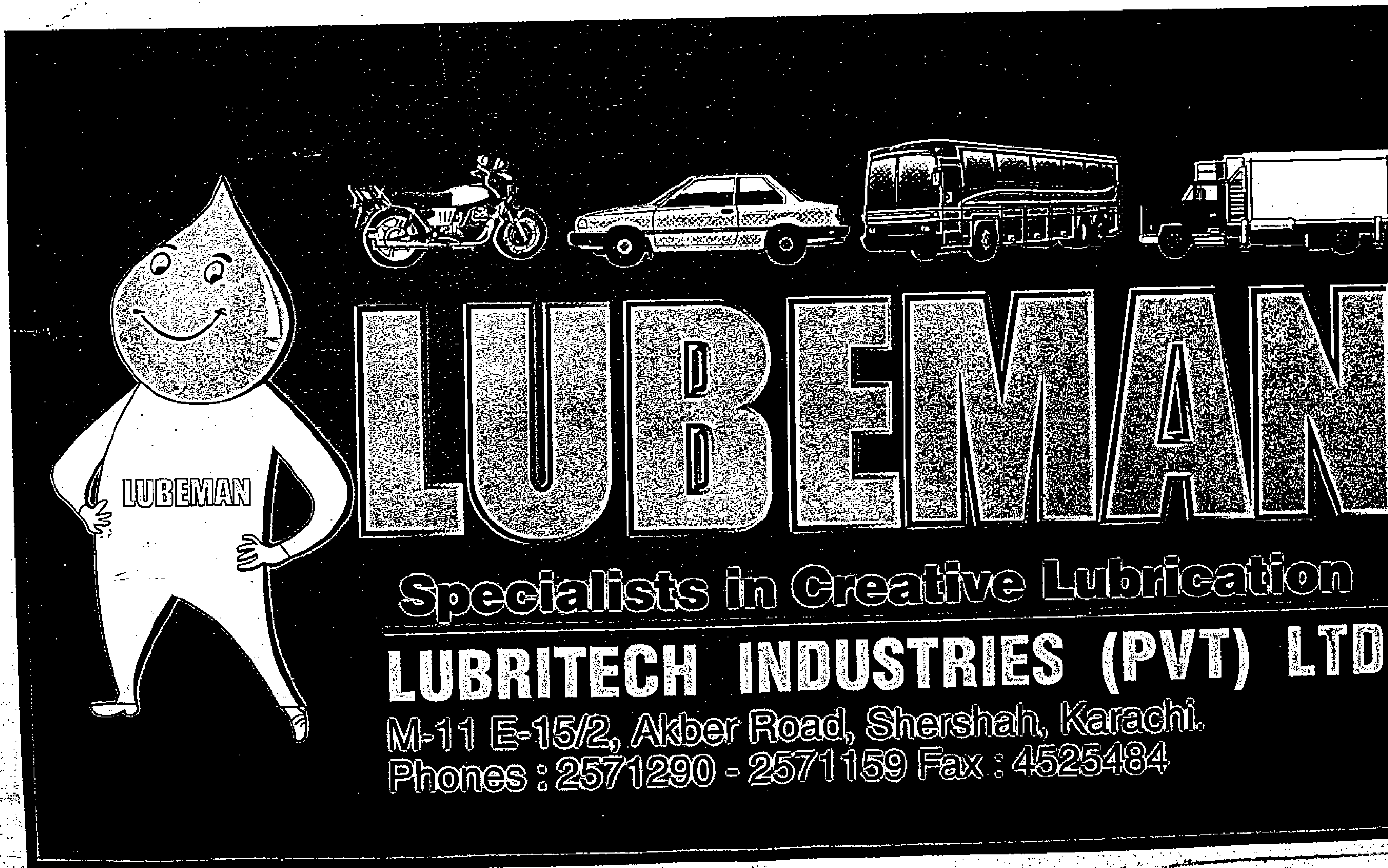
(Islamic Jurisprudence)
Karachi.

A Scientific, Islamic Research Journal

Editted By :
Prof. Dr. N. A. Shahtaz
Volume 1 Number 7

Published By :
Scholars Academy
P.O. Box 17887, Karachi - 75300, Pakistan
e.mail : nshahtaz@gem.net.pk

Contents


LUBEMAN
LUBEMAN
Specialists in Creative Lubrication
LUBRITECH INDUSTRIES (PVT) LTD.
M-11 E-15/2, Akber Road, Shershah, Karachi.
Phones : 2571290 - 2571159 Fax : 4525484